احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جون 2013ء

معراج اور شانِ عبدیتِ مصطفی ﷺ

نگاہ یا رسول اللہ ﷺ نگاہ!

نظریۂ پاکستان افکارِ اقبال و قائد کی روشنی میں

انتخابات 2013ء
دھن، دھونس اور دھاندلی کا "عظیم شاہکار"

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

قرآن کی زبان میں ہوں محوِ گفتگو اِیَّاکَ نَعْبُدُ
گویا ہوئے ہیں عابد و معبود روبرو اِیَّاکَ نَعْبُدُ

حاضر ہوں دست بستہ تری بارگاہ میں، لے لے پناہ میں
آیا ہوں کرکے آج میں اشکوں سے پھر وضو اِیَّاکَ نَعْبُدُ

سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر ہے تو رحیم اے قادرِ کریم
بھر دے مئے فیوض سے میرا بھی اب سبو اِیَّاکَ نَعْبُدُ

تجھ کو ہے میرے باطنی احوال کی خبر اے خالقِ بشر
تجھ پر عیاں خلوص مرا میری جستجو اِیَّاکَ نَعْبُدُ

درکار پھر ہے روح کو تطہیر کا عمل اے ربِّ لم یزل
پھر قلب کو عطا ہو وہی ذوقِ آرزو اِیَّاکَ نَعْبُدُ

دشت و چمن میں تیری ہی قدرت کے رنگ ہیں سب لوگ دنگ ہیں
جاری ہے ہر گھڑی تری رحمت کی آبجو اِیَّاکَ نَعْبُدُ

کیا یہ اسمِ ذات کے حرفوں میں نور ہے کیف و سرور ہے
مستی میں جھوم جائے ہے ہر موجۂ لہو اِیَّاکَ نَعْبُدُ

سجدے کو بے قرار تھی شہزادؔ کی جبیں اے اصلِ ہر حسیں
جونہی سنا تھا امر ترا اس نے "اُسْجُدُوا" اِیَّاکَ نَعْبُدُ

(شہزاد مجددی)

نعت بحضور سرورِ کونین ﷺ

مرے محسن آقا تیری گلیوں پہ نثار
مری سب عقل و خرد لے کے ملے مجھ کو جنوں

چوم لوں راہیں جہاں پڑتے رہے تیرے قدم
اپنی پلکوں سے ترے شہر کی خاشاک چنوں

ترے قدموں کے نشاں پا کے اُحد پہ آقا
اُن پہ ہونٹوں سے میں اپنا بھی کہیں نام لکھوں

مٹی میں موجود تو ہوگی ترے جوتوں کی دھنک
اُس کو آنکھوں پہ لگاؤں کبھی چہرے پہ ملوں

لپٹوں دیواروں سے جن میں ہو مجسم موجود
مجھ کو حسرت ہے یہیں جان تڑپ کر دے دوں

ترے منبر، تری مسجد، تری قُربت سے ملے
مجھ کو کچھ ایسا جنوں ہوش میں پھر آ نہ سکوں

کر عطا آقا! مجھے اپنی غلامی کا سرور
تاکہ اوروں کی غلامی سے میں آزاد رہوں

میں گداگر ہوں ترے دَر کا شہِ کون و مکاں
جیسا آیا ہوں ترے در سے نہ ویسا لوٹوں

رستہ دشوار ہے اور شمسؔ مسافر تنہا
آسرا آپ کا مل جائے تو بے خوف چلوں

(شمس کاشمیری)

جہان تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود

وہ نیا پاکستان جس کی تیاریاں گذشتہ کئی سالوں سے جاری تھیں، 11 مئی کے انتخابات کے بعد معرضِ وجود میں آچکا ہے۔ مرکز اور صوبوں میں نئی حکومتیں تشکیل پا رہی ہیں۔ اس نئے پاکستان کی دلچسپ تصویر یہ ہے کہ اس کے بیشتر ''معمار'' وہی ہیں جو گذشتہ آمرانہ اور کرپٹ ادوار میں اہم عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ رہی بات ''تبدیلی'' کی تو تبدیلی کے نعروں کا یہ اثر ضرور ہوا ہے کہ بعض قومی اور صوبائی سیاستدانوں نے وابستگیاں تبدیل کرلی ہیں اور کوشش کی ہے کہ مقتدر جماعتوں میں سے کوئی ایک بھی ان کے اثر و رسوخ سے باہر نہ رہے۔ یہاں تک کہ بعض سیاسی خانوادوں کی دو بہنیں، دو بھائی حتی کہ باپ اور بیٹا بھی دو مختلف جماعتوں میں شمولیت اختیار کرکے انتخابات میں شامل ہوئے اور جمہوریت کے ''حسن'' پر مہر تصدیق ثبت کی۔ یعنی ''باغباں بھی خوش رہے راضی ہے صیاد بھی''۔ مدعائے کلام یہ ہے کہ ہمارے ملک میں جاری نظام سیاست و جمہوریت مفادات کے حصول کا گھناؤنا کھیل ہے جسے کھیلنے کے لئے بھاری سرمایہ، بڑی برادریاں اور بے رحم، دھونس دھاندلی جیسی صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے۔ جدید سیاسی زبان میں ایسے ''باصلاحیت'' افراد کو ریس جیتنے والے گھوڑے (Winning Horses) کہا جاتا ہے۔ علمی، فکری اور اخلاقی برتری اس ''صلاحیت'' میں کوئی قابل ذکر خوبی نہیں سمجھی جاتی۔ دور دراز علاقوں میں ایک آدھ شخص اگر ایسا آ بھی جائے تو تین چار سو کے اکثریتی ایوان میں اس کی کیا قدرو منزلت ہوسکتی ہے؟

کئی لوگوں کا خیال ہے کہ اس ملک میں ہمیشہ سے ایک ہی پارٹی برسرِ اقتدار رہتی ہے اور وہ ہے ''حکومت کی پارٹی'' جس میں ہمیشہ لوگ مخصوص دروازوں سے داخل ہونے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ ملک کی داخلی خارجی پالیسیاں خطرات، مسائل اور چیلنجز ان کی بلا سے۔ انہیں تو اپنی تجوریوں کے سکڑنے اور پھیلنے کا علم ہوتا ہے اور مفادات کے تحفظ کی فکر ہوتی ہے۔

ے دریا کو ہے اپنی موج کی طغیانیوں سے کام ۔۔۔ کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

اس ملک کے اقتدار میں ہر کسی کے لئے لوٹ مار کے امکانات موجود ہیں حتی کہ موجودہ نگران حکومت جو چند دنوں کے لئے آئی تھی اور اس کے مینڈیٹ میں انتخابات کا انعقاد تھا، اس نے بھی دن دگنی رات چوگنی ''مہارت سے ترقی کا سفر'' جاری رکھا ہوا ہے۔ قومی سطح پر نظر دوڑائیں تو کراچی سے خیبر تک ہر جماعت دھاندلی کا رونا رو رہی ہے اور سراپا احتجاج ہے۔ آج اینکر پرسن، سیاسی تجزیہ نگار اور خود پارٹیوں کے سربراہ حتی کہ الیکشن کمیشن آف پاکستان بھی یہ اعتراف کررہے ہیں کہ ہمارا نظام انتخابات صاف و شفاف نہیں۔ اس میں غبن، کرپشن، اور دن دھاڑے حسب ضرورت نتائج تبدیل کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ جو لوگ رات کو اپنے جیتنے کی خوشخبری سن کر سوتے ہیں انہیں صبح اعداد و شمار کے ساتھ شکست کا تفصیلی پرچہ تھما دیا جاتا ہے۔ مالی بددیانتی کی طرح حقِ رائے دہی میں بھی کرپشن اس ملک کا مستقل مسئلہ بلکہ معاشرتی قدر بن چکی ہے۔ ایسے ماحول میں حقیقی جمہوریت کی روح کس طرح پنپ سکتی ہے اور منتخب ہوکر آنے والے قائدین کس جذبے کے تحت ملک و ملت کی خدمت کرسکتے ہیں؟ جہاں رائے دہندگان سے لے کر قومی اور صوبائی نمائندوں تک جھوٹ، فریب اور دھوکا دہی کا کلچر عام ہو وہاں کیا تبدیلی اور کونسی بہتری آسکتی ہے؟ انہیں اسباب کی نشاندہی قائد تحریک منہاج القرآن شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے دو سال قبل فرمائی اور پہلی مرتبہ پوری دنیا کے سامنے پاکستان کے انتخابی نظام کی خامیاں اور کمزوریاں طشت از بام کیں۔

انہوں نے بجا طور پر ان خامیوں کو دور کرنے کے لئے ایک زور دار تحریک شروع کی جس کا پہلا مرحلہ الیکشن کمیشن آف پاکستان کی معیاری تشکیل تھی۔ مگر اقتدار کی باریوں کا انتظار کرنے والوں کی ملی بھگت سے اس اہم قانونی چارہ جوئی کو آگے نہ بڑھنے دیا گیا۔ اس کے برعکس اس قومی ادارے کے تمام بااختیار لوگوں کی غیر آئینی تعیناتی کو تحفظ دیا گیا تاکہ اپنی پسند کے نتائج حاصل کئے جاسکیں اور عین اسی منصوبہ بندی کے مطابق اب نتائج قوم کے سامنے ہیں۔ قائد تحریک منہاج القرآن نے پہلی مرتبہ 23 دسمبر کے تاریخی اجتماع عام میں آئین پاکستان میں درج 63,62 کی شرائط سے قوم کو آگاہ کیا اور اقتدار کے ایوانوں میں آنے والوں کے محاسبے کا مطالبہ کیا مگر ان کے اس مطالبے کو تضحیک آمیز تبصروں کا موضوع بنایا گیا۔ آج جب شرق و غرب سے انتخابات اور ان کے نتائج پر انگلیاں اٹھ رہی ہیں تو انہیں احساس ہورہا ہے کہ ’’ڈاکٹر محمد طاہرالقادری ٹھیک کہتے تھے‘‘ جن لوگوں کو کرپشن کی سزا دینا ضروری تھی وہ آج حکومت سازی کے عمل میں شامل ہیں۔

پاکستان عوامی تحریک نے ان انتخابات سے اسی لئے حصہ نہیں لیا کہ ان سے مطلوبہ تبدیلی کے امکانات قطعاً ممکن نہیں۔ عشروں سے ایک نظام جڑیں پکڑ چکا ہے۔ جن خاندانوں کے مفادات اس سے وابستہ ہیں وہی اس کی آبیاری بھی کررہے ہیں۔ رہ گئی غریب عوام اور سفید پوش طبقات تو ان کے مسائل میں دن بدن اضافہ ہورہا ہے اور بے بسی سے لوگ موت کو گلے لگا رہے ہیں۔ پاکستان اس وقت دنیا کے کرپٹ ترین ممالک کی صف میں کھڑا نظر آرہا ہے۔ یہاں اندھیرے راج کررہے ہیں۔ گرمی کے اس شدید موسم میں لوگوں کے پاس نہ بجلی ہے نہ پانی اور نہ روزگار۔ انتہاء پسندی اور دہشت گردی نے قوم کی نیندیں اڑا رکھی ہیں۔ حتی کہ قرضوں کی معیشت بھی دم توڑ رہی ہے اور ہم معیشت کو سہارا دینے کے لئے مجبوراً پھر عالمی قوتوں سے خیرات لینے کے لئے مجبور ہیں۔

قائد تحریک ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے اس نازک صورت حال میں بھی نجات دہندہ کے طور پر رہنمائی کا فریضہ ادا کیا ہے۔ انہوں نے نظام انتخابات کو مسترد کرتے ہوئے قوم کو نئی راہ دکھانے کی کوشش کی ہے۔ ایسی راہ جس کے دوسرے کنارے پر امید اور حقیقی تبدیلی کے امکانات روشن نظر آرہے ہیں۔ انہوں نے قوم کو نظام انتخابات میں قابل عمل تبدیلیوں کی تجویز دی ہے تاکہ معاشرے سے اجارہ دار سیاستدانوں کی گرفت کم ہوسکے۔ حکمرانوں کو عوامی مسائل اور مشکلات کا علم بھی ہو اور ان مسائل کا حل بھی عدل و انصاف کی بنیاد پر ممکن ہو۔ ملک کے کلیدی عہدے وزیراعظم، وزیراعلیٰ اور گورنر وغیرہ کو منتخب نمائندوں کی بجائے براہ راست قوم اپنے ووٹوں سے منتخب کرے جس طرح امریکہ، ایران اور کئی دوسرے ممالک میں ہورہا ہے۔ یہ مسلمہ بات ہے کہ ملک میں حقیقی تبدیلی صرف اور صرف مخلص، اہل اور جرات مند قیادت ہی لے کر آسکتی ہے۔ بشرطیکہ باشعور طبقات اور خصوصاً نوجوان نظام کو تبدیل کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ دین اسلام کا نظریہ اجتہاد ہمیں روایت پرستی کی بجائے مسائل کے حل کے لئے نئی راہیں تلاش کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اگر یہ نظام گذشتہ 65 سالوں سے یہاں مثبت کردار ادا کرنے میں ناکام ہوچکا ہے تو ہمارے ہاتھ پاؤں کیا اسی کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں؟ ہمیں اپنے مسائل کے حل کے لئے اس جمہوریت اور انتخابی نظام میں تبدیلیاں لانی پڑیں گی۔ اقبال نے درست فرمایا تھا۔

جہانِ تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمو　　　　که سنگ وخشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

ڈاکٹر علی اکبر قادری

معراج اور شانِ عبدیتِ مصطفیٰ ﷺ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا خصوصی خطاب☆

مرتب: محمد یوسف منہاجین / معاون: محمد طاہر معین

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ.

’’وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرّب) بندے کو مسجدِ حرام سے (اس) مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی جس کے گرد و نواح کو ہم نے بابرکت بنا دیا ہے تاکہ ہم اس (بندۂ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں، بے شک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے‘‘۔ (بنی اسرائیل:۱)

معجزہ قرآن کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ کو جتنے معجزے عطا کئے گئے ان میں سب سے عظیم معجزہ ’’معراج‘‘ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

’’ہر نبی کو اللہ تعالیٰ اس کی امت کے حساب سے معجزات عطا کرتا ہے‘‘۔ (صحیح بخاری و مسلم)

آپ ﷺ کی امت کی کل تعداد صرف آج کے ڈیڑھ ارب مسلمانوں کی تعداد تک ہی محدود نہیں بلکہ آپ ﷺ کی بعثت سے لے کر آج تک پچھلی پندرہ صدیوں میں جتنی امت ہوئی، اس ساری تعداد کو جمع کرلیں، پھر قیامت تک چونکہ حضور ﷺ کی امت کو بڑھتے رہنا ہے اور قیامت تک سارے زمانوں کا ادراک نہیں کیا جاسکتا کہ قیامت کو کتنے زمانے رہ گئے ہیں اور ان زمانوں میں امتِ مسلمہ کی کتنی تعداد ہوگی؟ یہ بھی ہمارے حساب و کتاب کے احاطہ میں نہیں آ سکتا۔ لہٰذا کل عدد امت مصطفیٰ ﷺ کا قیامت تک مکمل ہوگا۔ کثرتِ امت کا اندازہ حضور نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت سلیمان بن بریدہ رضی اللہ عنہما نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَهْلُ الْجَنَّةِ عِشْرُوْنَ وَمِائَةُ صَفٍّ، ثَمَانُوْنَ مِنْهَا مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ، وَأَرْبَعُوْنَ مِنْ سَائِرِ الْأُمَمِ.

’’جنتیوں کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں سے اسی (۸۰) صفیں میری اُمت کی ہوں گی اور باقی تمام امتوں کی صرف چالیس (۴۰) صفیں ہوں گی۔‘‘

(جامع ترمذی، کتاب صفة الجنة، ج۴، ص۶۸۳، رقم ۲۵۴۶)

یہ صفوں کا تعین مسجدوں والی صفوں کا نہیں ہے بلکہ یہ جنت کی صفیں ہیں اور جنت کی تعریف کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے ارشادفرمایا:

عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ. (آل عمران:۱۳۳)

’’جس کی وسعت میں سب آسمان اور زمین آجاتے ہیں‘‘۔

☆ Cd#1741، خطاب نمبر: En-55 (17-6-2012) (امریکہ)

ایک طرف حضور ﷺ کی بعثت کے بعد وجود میں آنے والی امت کی تعداد کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا جبکہ دوسری طرف حقیقت یہ ہے کہ سب انبیاء اور ان کی امتیں بھی امت محمدی ﷺ میں شامل ہیں۔

مقام معجزہ معراج

حضور نبی اکرم ﷺ کے معجزہ معراج کی اہمیت وفضیلت کا اندازہ اس بات سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس معجزہ کے بیان کو قرآن مجید کا حصہ بنایا۔ افسوس! کہ ہمارے ہاں قرآن مجید پڑھنے اور اسے سمجھنے کا رواج موجود نہیں۔ اگر قرآن مجید سمجھا ہوتا تو آج ہر مسجد میں معراج مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے محافل کا انعقاد ہوتا۔ ہر قوم اپنے مقدس ایام کو مناتی ہے لیکن دکھ کی بات یہ ہے کہ ہمارا دامن اس حوالے سے شکوک و شبہات اور بحث و مباحثہ سے اٹا پڑا ہے۔ جب حضور ﷺ کی اپنے رب سے ملاقات کی ایسی رات آئے جس سے آقا ﷺ کی فضیلت کا سب سے منفرد اور عظیم اظہار ہو، آقا ﷺ کو سب سے بڑھ کر خوشی اور مسرت میسر آئے لیکن امت اپنے محبوب ﷺ کی خوشی کو نہ منائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم کس دین کا پرچار کرتے ہیں۔۔۔؟ وہ اسلامک سنٹر، مسجدیں اورعلماء جن کو محبوب ﷺ کی خوشی کے ساتھ خوشی نہیں، ان کی عظمت کا سن کر ان کے دل خوش نہیں، کس دین کے علمبردار بنتے ہیں۔۔۔؟ حالانکہ حضور ﷺ کی اسی عظمت کا ذکر قرآن مجید بھی بیان کررہا ہے۔

افسوس! ہم حضور نبی اکرم ﷺ کو حاصل اس مقام کی عظمت کو بھول گئے اور یہ سمجھتے ہیں کہ معراج النبی ﷺ کی خوشیاں منانا، محافل کے انعقاد کا تعلق ایمان سے نہیں ہے اور یہ صرف برصغیر میں پیدا ہونے والی بدعت ہے حالانکہ معجزہ معراج قرآن و حدیث سے ثابت، ائمہ سے تواتر کے ساتھ مذکور اور حضور ﷺ کے سارے معجزات میں قرآن کے بعد سب سے بڑا معجزہ ہے۔ کیا حضور کی امت کے علماء، ائمہ، خطباء، سکالرز پر یہ فرض نہیں کہ حضور ﷺ کے جس معجزہ کو اللہ بیان کررہا ہے، ماہ رجب آئے تو اپنی مسجدوں میں بھی اس کو محبت کے ساتھ بیان کریں۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ معراج کا سارا مہینہ گذر جائے اور ہم معراج النبی ﷺ کو بیان نہ کرسکیں جبکہ اللہ اس کو قرآن کا حصہ بنارہا ہے۔

اسلام کی باتیں کرنے والے اس کا ذکر ہی نہیں کرتے اور نئی نسلوں کو خبر ہی نہیں کہ معراج کیا ہے۔ اسلام کی ایسی دعوت جو محبت وعشقِ مصطفیٰ ﷺ کے خمیر سے نہ اٹھے، اللہ رب العزت ہرگز قبول نہیں فرماتا۔ یاد رکھیں! دنیا کے جدید سے جدید علوم کا حصول بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا نہیں، فقط ''ایمان'' ہی اللہ تعالیٰ کی شدید گرفت سے ہمیں بچاسکتا ہے اور ایمان درحقیقت تعلق مصطفیٰ ﷺ کا نام ہے۔

آقا ﷺ نے فرمایا:

''میری امت کے آخری زمانے میں وہ وقت آئے گا کہ مسجدیں لوگوں سے بھری ہوئی ہوں گی مگر مومن ایک بھی نہیں ہوگا''۔ (شرح عقائد اہل السنہ)

اس حدیث مبارکہ میں آج کے زمانے کی بات ہورہی ہے کہ وہ مسجد میں آنے کے باوجود مومن کیوں نہیں ہوں گے حالانکہ وہ مسجد میں تفریح کرنے تو نہیں آئے، ان میں کوئی مسجد میں آکر نماز پڑھ رہا ہے، وعظ وتبلیغ ہورہی ہے، خطاب ہورہا ہے۔ یہ سب کچھ ہورہا ہے مگر چونکہ خدا کے محبوب ﷺ کی بات نہیں ہورہی، اس لئے فرمادیا کہ مسجدیں بھری ہوں گی مگر وہ مومن نہ ہوں گے۔

حضور ﷺ کی عظمت، رفعت اور مقام و مرتبہ کا ذکر آئے تو بدعت و شرک کے فتوے لگاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ خود حضور ﷺ کی عظمت و مقام و مرتبہ کو قرآن مجید میں جابجا بیان فرمارہا ہے۔ انہی تذکرہ ہائے عظمت

مصطفیٰ ﷺ میں سے ایک تذکرہ معراج مصطفیٰ ﷺ بھی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا۔

نفیٔ تعجب و اعجاب

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ.

''وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرّب) بندے کو مسجدِ حرام سے (اس) مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی جس کے گرد و نواح کو ہم نے بابرکت بنا دیا ہے تاکہ ہم اس (بندۂ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں، بے شک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے''۔ (بنی اسرائیل:۱)

اس آیت کریمہ کا آغاز اللہ تعالیٰ نے لفظ ''سبحان'' سے دو وجوہات کی بناء پر کیا:

۱۔ نفیٔ تعجب ۲۔ نفیٔ اعجاب

۱۔ نفیٔ تعجب کفار و مشرکین، منکرین، شک کرنے والے اور عظمت مصطفیٰ ﷺ سے ناواقف لوگوں کے لئے ہے۔ اس لئے کہ معراج کا سن کر اس وقت کئی لوگ مرتد ہوگئے۔ وہ لوگ جنہیں معلوم نہ تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی شان کتنی بلند ہے، انہوں نے اسلام تو قبول کرلیا تھا لیکن شان مصطفیٰ ﷺ کی عظمت کا تصور ان کے ذہنوں میں نہ تھا۔ معجزہ معراج پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوگو اس سفر پر تعجب نہ کرو کہ اتنے کم وقت میں کوئی اتنے مراحل کیسے طے کرسکتا ہے، کیونکہ یہ دعویٰ میں نے کیا کہ میں اپنے محبوب کو لے گیا، اب جو انکار کرتا ہے کہ عالم بیداری میں مصطفیٰ ﷺ معراج پر نہیں گئے، یہ ممکن نہیں، گویا وہ اپنے ایمان کو برباد کررہا ہے اس لئے کہ وہ ناممکن قولِ مصطفیٰ ﷺ کو نہیں کہہ رہا بلکہ وہ اعلان خدا کو ناممکن کہہ رہا ہے اور وہ خدا کی قدرت کو چیلنج کررہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لفظ ''سبحان'' کے ذریعے سفر معراج کے انکار کی وجہ کی جڑ کاٹ دی کہ کوئی میرے محبوب کے معجزۂ معراج کا انکار نہ کرے۔ کوئی میرے محبوب کی عظمت پر شک نہ کرے چونکہ یہ دعویٰ ان کا نہیں بلکہ میرا ہے لہذا تعجب کی ضرورت نہیں۔ پس سبحان سے واقعہ معراج کا بیان آقا ﷺ کی شان کے دفاع اور حضور ﷺ کی عظمت کے تحفظ کے لئے ہے۔

۲۔ معجزہ معراج کے بیان کا ''سبحان'' سے آغاز کا دوسرا مقصد ''نفیٔ اعجاب'' ہے۔ عجب، تکبر کو کہتے ہیں۔ حضور ﷺ کے معجزہ معراج کے ذریعے آپ ﷺ کی امت کو تعلیم دی گئی کہ کوئی جتنا بڑے سے بڑا رتبہ پائے وہ یہ نہ کہے کہ مجھے یہ مقام حاصل ہوا، بلکہ کہے کہ اللہ نے عطا فرمایا۔ امت کو تعلیم دی کہ اتنا بڑا کرم ہوجائے، خدا کی بارگاہ کی حاضری ہوجائے۔۔۔ مکہ سے القدس جائیں۔۔۔ یکے بعد دیگرے ساتوں آسمانوں کے دروازے کھلیں۔۔۔ سدرۃ المنتہاء سے عرش معلیٰ تک پہنچے۔۔۔ پھر رف رف پہ بیٹھ کر مقام ثم دنی فتدلی. کے قرب سے ہمکنار ہوئے۔۔۔ پھر ماذاغ البصر وماطغیٰ. کا مقام حاصل ہوا۔۔۔ آمنا سامنا ہوا، پردے اٹھادیئے گئے۔۔۔ محبوب کا دیدار کرکے واپس پلٹ آئے۔۔۔ واپس پلٹے تو وقت کی اکائی وہیں کھڑی تھی جہاں چھوڑ کر گئے۔۔۔ الغرض خدا کی بارگاہ سے اتنا عظیم کرم بھی ہوجائے تب بھی بندے کی شان یہ ہے کہ وہ یہ نہ کہے میں نے دیکھا۔۔۔ میں وہاں گیا۔۔۔ اور میں پلٹ کر آیا۔۔۔ نہیں، بلکہ اپنی ذات کی نفی کردے اور محبوب کی ذات میں اپنی ذات کو فنا کردے۔ بندہ وہ ہے جس پر اللہ کا بہت بڑا کرم بھی ہوجائے تو یہی کہے کہ میرا رب لے گیا، میں تو اس قابل نہ تھا۔

پہلا نقطہ حضور ﷺ کی شان و عظمت کے دفاع کے لئے تھا اور دوسرا نقطہ امت کی تعلیم و تربیت کے لئے تھا کہ اتنا بڑا اعزاز ملا تو حضور ﷺ نے دعویٰ نہیں کیا کہ میں گیا جبکہ دوسری طرف ہماری حالت یہ ہے کہ اگر ہم پر اللہ کا کوئی خاص کرم ہوجائے تو ہم یہ دعوے کرنے

لگتے ہیں کہ یہ سب کچھ میں نے کیا۔۔۔ یہ میری اپنی محنت ہے۔۔۔ مجھے یہ موقع مل گیا۔ اگر نسبت اپنی طرف رکھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اندر سے ’’میں‘‘ ختم نہیں ہوئی۔ آقائے دو جہاں ﷺ سے بڑی عظمت والا کون ہے جو **ثم دنی فتدلی** کے مقام پر گئے اور اتنی بڑی عظمت پاکر بھی فرمایا کہ رب لے گیا۔ حضور ﷺ کے ذریعے امت کو تعلیم دی کہ بڑے سے بڑا فضل ہوجائے، سارے پردے بھی اٹھ جائیں تو اللہ والوں کی شان یہ ہوتی ہے کہ چپ رہتے ہیں اور اس کرم کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ نفئ اعجاب ہے کہ بندہ یہ سمجھے کہ میرا کچھ نہیں۔ وہی مالک ہے جس کو چاہے لے جائے، میرا کوئی کمال نہیں، ہر نعمت کو اللہ کی طرف منسوب کرے، ہر فضل کو اللہ کی طرف منسوب کرے، یہ کمال بندگی ہے۔

مقامِ عبدیت

اس آیت کریمہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی عبدیت کا ذکر بھی موجود ہے۔ آیت کریمہ میں یہ نہیں فرمایا کہ **اسریٰ بنبی** وہ ذات اپنے نبی کو لے گئی۔۔۔ **اسریٰ برسولہ** وہ ذات اپنے رسول کو لے گئی۔۔۔ **اسریٰ بمحمد** ﷺ وہ ذات اپنے محبوب محمد ﷺ کو لے گئی۔۔۔ بلکہ فرمایا **اسریٰ بعبدہ** وہ ذات اپنے محبوب و مقرب بندے کو لے گئی۔ حضور ﷺ کے لئے لفظ ’’عبد‘‘ کا انتخاب کیا۔ جب سفر کی ابتداء ہوئی اور مکہ معظّمہ سے چلے تو ابتداء ہی میں حضور ﷺ کا ذکر ’’عبدہٗ‘‘ کے الفاظ کے ساتھ فرمایا۔ جب سفر کی انتہاء ہوگئی اور آپ ﷺ کی شانیں، عظمتیں، رفعتیں، مقامات اس آخری نقطہ کمال تک جاپہنچے تو وہاں بھی حضور ﷺ کے لئے ابتداء میں اختیار کئے گئے لفظ ’’عبد‘‘ کو ہی اختیار فرمایا۔ ارشاد فرمایا:

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی. (النجم: ١٠)

’’پس (اُس خاص مقامِ قُرب و وصال پر) اُس (اللہ) نے اپنے عبدِ (محبوب) کی طرف وحی فرمائی جو (بھی) وحی فرمائی‘‘۔

حضور ﷺ چلے تب بھی ’’عبد‘‘ تھے اور قربِ الٰہی میں **فکان قاب قوسین** کے مقام پر تشریف فرما ہوئے تب بھی ’’عبد‘‘ ہی رہے۔ جب آقا ﷺ اس مقام پر پہنچ کر بھی عبدیت سے باہر نہیں گئے تو اس سے امت کو یہ تعلیم دینا مقصود تھا کہ بندے کا جتنا بھی کمال ہوجائے وہ اللہ کا بندہ کہلائے۔ اللہ کا بندہ ہونا، اس سے بڑا کوئی کمال نہیں۔

اظہارِ عبدیت۔۔۔ قربِ الٰہی کا باعث

امام فخرالدین رازی ’’تفسیر الکبیر‘‘ اور علامہ آلوسی نے ’’روح المعانی‘‘ میں فرماتے ہیں:

حضرت بایزید بسطامیؒ نے ایک روز اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا:

ماوجدت شيئا يتقرب به .

’’کوئی ایسی چیز مجھے (حال/صفت) بتا جس کو اپناؤں تو تیرا بہت زیادہ قرب نصیب ہوجائے‘‘۔

(آلوسی، روح المعانی ج١٥، ص٥٠)

باری تعالیٰ! میں نے ہر ہر صفت اپنانے کی کوشش کی مگر جس صفت کو میں نے اپنایا تجھے اس میں کمال پر دیکھا۔ میں نے کوشش کی کہ سخی ہوجاؤں، سخی ہوگیا مگر تجھے سخاوت میں کمال پر دیکھا۔۔۔ عالِم ہوا تو میں نے تجھے علم میں کمال پر دیکھا۔۔۔ معافی و درگزر کو اپنایا تو تجھ سے بڑا معاف کرنے والا کوئی نہ دیکھا۔۔۔ ہادی بنا تو تجھے ہادی دیکھا۔۔۔ شفیق بنا تو تجھے شفقت فرمانے والا دیکھا۔۔۔ لوگوں کو عطا کیا تو سب سے زیادہ عطا کرنے والا تجھے دیکھا۔۔۔

الغرض ہر ہر صفت اپنانے کی کوشش کی مگر ہر ایک کے اندر تیری اولیت کی شان دیکھی۔ اے میرے مولا! میں کس صفت کے ذریعے تیرا قرب حاصل کروں؟

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا:

تقرب الّی بما لیس لی.

''اے بایزید! وہ صفت اپنا جو مجھ میں نہیں۔ میں تمہیں قریب کرلوں گا''۔

عرض کرتے ہیں:

یارب ماالذی لیس لک.

''اے میرے رب وہ کونسی نعمت ہے جو تیرے خزانے میں نہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا:

العبدیت والذلت والافتقار.

میرے پاس بندگی نہیں، اس لئے کہ بندگی نام ہے جھک جانے کا اور میں جھکنے والا نہیں ہوں۔۔۔ بندگی نام ہے کمزوری و تواضع کا اور میں کمزوری اور تواضع سے پاک ہوں۔۔۔ بندگی نام ہے انکساری کا، میں انکساری سے پاک ہوں۔۔۔ بندگی نام ہے مانگنے کا جبکہ میں تو دینے والا ہوں۔۔۔ پس ایسی صفت کے ذریعے میرے پاس آ جو میرے پاس نہیں اور وہ صفت صرف بندگی ہے۔ بندگی کا لباس پہن کر میرے پاس آؤ۔ تمہیں اپنے قریب کرلوں گا۔۔۔ کمال تواضع، کمال انکساری، کمال خشوع، کمال خضوع اور سراپا بندگی بن کر میرے پاس آ۔۔۔ تو میرا بن کر آ، تجھے قریب کرلوں گا۔۔۔ یہ قرب کی عظمت ہے۔ قرب کا کمال عبدیت و بندگی میں ہے۔ انسان کا کمال کسی صفت میں نہیں جتنا کمال بندگی وعبدیت میں ہے جو عاجز ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو کمال عطا کرتا ہے۔

اگر کوئی شخص اللہ کی خاص شانیں اپنانا چاہے تو اللہ پاک اس کو رد کردیتا ہے۔ قرآن مجید نے فرمایا:

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ.

''اسی طرح اللہ ہر ایک مغرور (اور) سرکش کے دل پر مُہر لگا دیتا ہے''۔ (المومن: ۳۵)

غفار والی شان میں کوئی حصہ لینا چاہے تو رب خوش ہوتا ہے لیکن کبریائی اللہ کی شان ہے۔ جس نے اس کو چھیننے کی کوشش کی اللہ تعالیٰ اسے عبرتناک انجام دے دوچار کرتا ہے۔ اس لئے کہ اس کا فرمان ہے:

''کبریائی میری چادر ہے''۔

عبدیتِ مطلقہ

معراج چونکہ عظیم ترین معجزہ کا بیان ہے، اس لئے اس بیان میں حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے ''عبد'' کے عنوان سے وہ لقب چنا جس سے بڑا لقب خدا کے ہاں کوئی نہیں ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا نام نہ لیا بلکہ فرمایا: سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ، پاک ہے وہ ذات۔ اسی طرح اس آیت میں حضور نبی اکرم ﷺ کا نام بھی نہ لیا بلکہ فرمایا: ''عبدہ'' (اپنا بندہ)۔ ساری بات راز میں کی، نام نہ لینا اور ''عبدہ'' کہنا یہ ''عبدیت مطلقہ'' ہے۔ اس کا مطلب ہے حضور ﷺ عبدیت میں اتنے بلند ہوئے کہ اللہ کی بندگی میں فنا ہوگئے۔ جب خدا کی ذات میں بندہ فنا ہوجاتا ہے اور اس کا کچھ بھی نہیں رہتا تو پھر ''عبد'' نہیں رہتا بلکہ وہ ''عبدہ'' ہوجاتا ہے اور اسے عبدیت مطلقہ نصیب ہوجاتی ہے۔

الحمد سے والناس تک پورے قرآن کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات نمایاں نظر آتی ہے کہ جتنے انبیاء و رسل کا قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا، حضور ﷺ کی ذات کے علاوہ کسی ایک پیغمبر کو بھی نام لئے بغیر اللہ تعالیٰ نے اپنا بندہ کہہ کر نہیں پکارا۔ سارے قرآن میں بغیر نام اور عنوان کے فقط عبدہ کہہ کر پکارنا اور نام نہ لینا یہ عبدیت مطلقہ کا منصب اعلیٰ صرف محمد مصطفیٰ ﷺ کو عطا کیا۔

نام بیان ہوا نہ کوئی اور عنوان بیان ہوا فقط عبد مطلق کی یہ شان کسی اور کو پیغمبر نہیں عطا کی گئی۔ آیئے! اس تناظر میں آیات قرآنی کا مطالعہ کرتے ہیں:

حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ.

"اور ہمارے بندے داؤد (علیہ السلام) کا ذکر کریں جو بڑی قوت والے تھے، بے شک وہ (ہماری طرف) بہت رجوع کرنے والے تھے"۔ (ص: ۱۷)

اس آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام کا نام لے کر انہیں بندہ کہا، عبدیت مطلقہ کا ذکر نہیں کیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ. (ص: ۴۱)

"اور ہمارے بندے ایوب (علیہ السلام) کا ذکر کیجیے جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے بڑی اذیت اور تکلیف پہنچائی ہے"۔

جب بھی اللہ نے کسی پیغمبر کو اپنا بندہ کہا تو خالی اپنا بندہ نہیں کہا بلکہ نام لیا۔ نام وعنوان کے ساتھ شان عبدیت دی۔ حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا. (مریم: ۲)

"یہ آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے (جو اس نے) اپنے (برگزیدہ) بندے زکریا (علیہ السلام) پر (فرمائی تھی)"۔

یہاں بھی نام کے ساتھ عبد کا عنوان دیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا.

"اِن سے پہلے قومِ نوح نے (بھی) جھٹلایا تھا۔ سو انہوں نے ہمارے بندۂ (مُرسَل نُوح علیہ السلام) کی تکذیب کی"۔ (القمر: ۹)

شان عبدیت کے ذکر کے ساتھ ان کا نام و عنوان قائم رکھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر فرمایا:

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ.

"اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو (فرزند) سلیمان (علیہ السلام) بخشا، وہ کیا خوب بندہ تھا، بے شک وہ بڑی کثرت سے توبہ کرنے والا ہے"۔ (ص: ۳۰)

حضرت سلیمان کا ذکر "نعم العبد" سے کیا مگر نام بھی ساتھ بیان فرمایا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ. (النساء: ۱۷۲)

"مسیح (علیہ السلام) اس (بات) سے ہرگز عار نہیں رکھتا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ ہی مقرب فرشتوں کو (اس سے کوئی عار ہے)"۔

الغرض جس بھی پیغمبر کی اللہ نے "میرا بندہ" یا "ہمارا بندہ" کہہ کر شان عبدیت کا ذکر کیا اس کا نام ساتھ ضرور لیا۔ جبکہ قرآن مجید میں آقا ﷺ کی عبدیت کا ذکر دیگر انبیاء سے قطعی مختلف ہے۔ ارشاد فرمایا:

سُبْحٰنَ الَّذِىْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا.

"وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرّب) بندے کو مسجدِ حرام سے (اس) مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی"۔ (بنی اسرائیل: ۱)

یہاں آقا ﷺ کا نام نہیں لیا بلکہ سب کچھ ان کی عبدیت میں فنا کردیا۔ فنائے تام کا مقام حاصل ہوگیا، عبدیت صرف کامل نہ رہی بلکہ کامل ہوکر عبدیت مطلقہ ہوگئی۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى.

"پس (اُس خاص مقامِ قُرب و وصال پر) اُس (اللہ) نے اپنے عبدِ (محبوب) کی طرف وحی فرمائی جو (بھی) وحی فرمائی"۔ (النجم: ۱۰)

نام نہیں لیا صرف "عبدہٖ" کہہ کر پکارا۔

قرآن کی حقانیت بارے کفار کو چیلنج کیا تو فرمایا:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ. (البقرہ: ۲۳)

’’اور اگر تم اس (کلام) کے بارے میں شک میں مبتلا ہو جو ہم نے اپنے (برگزیدہ) بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا لاؤ‘‘۔

اس میں بھی نام نہیں لیا بلکہ سب کچھ عبدیت مطلقہ میں فنا کردیا۔ ایک اور مقام پر عبدیت مطلقہ کو یوں بیان فرمایا:

اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ. (الانفال: ۴۱)

’’اگر تم اللہ پر اور اس (وحی) پر ایمان لائے ہو جو ہم نے اپنے (برگزیدہ) بندے پر (حق و باطل کے درمیان) فیصلے کے دن نازل فرمائی‘‘۔

پھر ارشاد فرمایا:

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِکَافٍ عَبْدَهٗ. (الزمر: ۳۶)

’’کیا اللہ اپنے بندۂ (مقرّب نبیِّ مکرّم ﷺ) کو کافی نہیں ہے؟‘‘۔

یہاں بھی نہ عنوان کا ذکر کیا اور نہ نام لیا فقط عبدیت مطلقہ کا اظہار کیا جارہا ہے۔

الختصر قرآن مجید کے متعدد مقامات (الکھف:۱، الفرقان:۱، الحدید:۹) پر اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی عبدیت مطلقہ کا اظہار فرمایا۔ ایک مقام بھی ایسا نہیں جہاں حضور ﷺ کی عبدیت کا ذکر نام کے ساتھ کیا ہو اور نہ کوئی آیت ایسی ہے جہاں کسی ایک پیغمبر کی عبدیت کا ذکر اس کے نام کے بغیر ذکر کیا ہو۔

تعلقِ عبدیت میں اضافہ کیسے؟

تعلقِ بندگی میں اضافہ یا کمی ہوتی ہے؟

اس کی مثال چراغ کے سامنے کھڑے انسان اور اس کے سایہ کی ہے۔ جس طرح سایہ انسان کے ساتھ رہتا ہے، بندگی بھی انسان کے ساتھ رہتی ہے۔ انسان اگر چراغ کے سامنے کھڑا ہو تو وہ اپنا سایہ دیکھ سکتا ہے۔ وہ چراغ سے جتنا دور ہوتا جائے گا اس کا سایہ اتنا چھوٹا ہوتا جائے گا اور چراغ کے جتنا قریب ہوتا جائے گا۔ اس کا سایہ اتنا ہی بڑھتا چلا جائے گا۔ اس طرح اللہ کے نور کا چراغ بھی ہے۔ ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (النور: ۳۵)

’’اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے‘‘۔

بندہ اللہ کے نور سے جتنا دور ہوتا جائے گا تو مثلِ سایہ اس کی بندگی بھی چھوٹی اور کمزور ہوتی چلی جاتی ہے۔ اگر شوق ہو کہ اس کی بندگی کو کمال ملے تو وہ جتنا اللہ کے قریب ہوتا چلا جائے گا تو مثلِ سایۂ بندگی میں باکمال ہوجائے گا۔ بندگی کا بڑھنا اور کم ہونا اللہ کے ساتھ قرب اور بُعد کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔

آقا ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے عبدیت مطلقہ عطا فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ اتنے قریب کیا جیسے چراغ کے بہت قریب ہوجائیں تو سایہ بڑا ہوتا چلا جاتا ہے، یہ اس وقت تک بڑھتا ہے جب تک قرب کے اندر ایک بُعد رہے۔ اگر آپ چراغ سے جڑ جائیں اور فاصلہ نہ رہے تو سایہ ختم ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محبوب ﷺ کو اتنا قریب کیا کہ اپنے اور محبوب کے درمیان عبد و معبود کے علاوہ تمام فرق مٹا ڈالے اور فاصلے ختم کردیئے اور **فکان قاب قوسین او ادنی** کے مقام پر کھڑا کیا تو مصطفیٰ ﷺ کا سایہ نہ رہا۔ کیونکہ حضور ﷺ چراغ و نور حق کے اتنے قریب گئے تھے کہ سایہ ہونے کے لئے جتنے فاصلے کی ضرورت ہوتی ہے، وہ فاصلہ نہ رہا تھا۔ سایہ ہونے کے لئے قرب چاہئے اور قرب میں بھی کچھ فاصلہ چاہئے کہ سایہ بن سکے۔

یہ ایک سائنسی حقیقت ہے کہ جب روشنی نکلتی ہے تو روشنی کو آگے بڑھنے کے لئے جگہ درکار ہوتی ہے لیکن سامنے اگر کوئی وجود آجائے تو اس وجود سے روشنی گزر نہیں سکتی۔ نتیجتاً اردگرد سایہ بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو اتنا قریب کرلیا کہ سائے کے لئے جتنا فاصلہ چاہئے تھا وہ فاصلہ بھی نہ

رہا۔ مصطفیٰ ﷺ کے نور کو Transparent (شفاف) بنادیا کہ جسم اقدس میں کثافت نہ رہی۔ جس طرح نور باہر سے گزر رہا تھا اسی طرح مصطفیٰ ﷺ سے بھی گزر رہا تھا۔

بلب کی روشنی کے ذریعے کمرے میں پڑی ہوئی ہر شے کا سایہ بنتا ہے مگر بلب کا اپنا سایہ نہیں بنتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ نور کو آگے پھیلانے کا ذریعہ ہے۔ جسم مصطفیٰ ﷺ کو رب کائنات نے اپنے نور کا بلب بنادیا۔ لہٰذا آپ ﷺ کا سایہ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو قرب کا وہ مقام عطا کردیا کہ فاصلہ نہ رکھا۔ حضور ﷺ کی عبدیت اس مقام پر پہنچی کہ بے سایہ ہوگئی۔ بے سایہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نام و عنوان فنا ہوگئے۔ جب عبدیت مطلقہ ہوئی تو نام و عنوان، اس ذات مطلق میں فنا ہوگئے اور عبدیت محمدی، عبدیت مطلقہ کے مقام پر فائز ہوئی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فعل بھی حضور ﷺ کی طرف منسوب کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کی محبت اللہ کی محبت ہے۔۔۔ حضور ﷺ کا ادب اللہ کا ادب ہے۔۔۔ حضور ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت۔۔۔ حضور ﷺ کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے۔۔۔ جو لوگ حضور ﷺ کے ہوگئے وہ لوگ حقیقت میں اللہ کے ہوگئے۔۔۔

حضور ﷺ کی عبدیت مطلق اس مقام پر ہے جہاں نام و عنوان فنا ہوجاتے ہیں اور جب حالت عبدیت مطلقہ ہو تو پھر عبد و معبود کے علاوہ تمام فرق مٹ جاتے ہیں۔

معراجِ موسوی و محمدی میں فرق

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اللہ نے کوہ طور پر معراج سے نوازا۔ نہیں جب معراج پر بلایا تو فرمایا:

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِيْقَاتِنَا . (الاعراف:۱۴۳)

''اور جب موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے (مقرر کردہ) وقت پر حاضر ہوا''

حضرت موسیٰ کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ باتیں کرنے کا وقت مقرر فرمایا۔ آپ علیہ السلام مقررہ وقت پر حاضر ہوتے اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کی معراج تھی لیکن جب مصطفیٰ ﷺ کی باری آئی تو فرمایا:

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ وہ مصطفیٰ ﷺ کو لے گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے لئے کہا وہ آگئے اور حضور ﷺ کے لئے فرمایا کہ ان کو اللہ تعالیٰ لے گیا۔ توجہ طلب بات یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے سواری بھی نہ بھیجی اور نہ بلایا بلکہ وہ خود مقررہ جگہ پر مقررہ وقت پر حاضر ہوتے رہے۔ یہ عبدیت محمدی ﷺ اور عبدیت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان فرق ہے۔ نہ سواری بھیجی، نہ کسی کو لانے کا کہا اور آقا ﷺ کے لئے جبرائیل کو کہا جاؤ اور سواری کے لئے براق ساتھ لے جاؤ۔

معراج اور مصاحبتِ الٰہی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اسریٰ بعبدہ وہ ذات اپنے بندے کو لے گئی۔ یاد رکھیں کہ اسریٰ کے لفظ کے ساتھ ''ب'' لگانا ضروری نہیں۔ یوں بھی ہوسکتا تھا کہ **سبحان الذی اسریٰ عبدہ** اپنے بندہ کو سیر کرائی۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

يُسَيِّرُكُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ. (یونس:۲۲)

''جو تمہیں خشک زمین اور سمندر میں چلنے پھرنے (کی توفیق) دیتا ہے''۔

یہاں یہ فرمایا کہ میں سیر کراتا ہوں مگر یہ نہیں فرمایا **یسیر بکم**، ''ب'' کا حرف نہیں لگایا۔ جب عام بندوں کی بات کی تو ساتھ ''ب'' نہیں لگایا مگر جب مصطفیٰ ﷺ کی بات کی تو **اسری بعبدہ** فرما کر **اسری** کے ساتھ ''ب'' لگائی۔ ''ب'' مصاحبت کے لئے استعمال ہوتی ہے۔

بتانا یہ مقصود تھا کہ معراج کی رات حضور نبی اکرم ﷺ کو لانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بظاہر جبرئیل و براق بھیجا مگر حقیقت میں، خود خدا لینے آیا تھا۔ اس سفرِ معراج میں خدا خود ساتھ تھا اس لئے کہ کسی مرحلے پر محبوب کو تکلیف نہ ہو۔ وہ ہر وقت ساتھ رہا کہ جب اجنبیت محسوس ہونے لگے تو محبوب دیدار کرلے تاکہ اجنبیت اور محبوب کو پردیس محسوس نہ ہو۔

بعض لوگوں کے ذہنوں میں سوال آسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ساتھ کیسے ہوگیا۔۔۔؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح ساتھ تھا جس طرح حضور ﷺ نے مسافر کو یہ دعا سکھائی کہ

اللهم انت صاحب فی السفر.

’’اے اللہ تو سفر میں ہمارے ساتھ ہے‘‘۔

(صحیح مسلم، کتاب الحج، ج، ص۹۷۸، رقم ۱۳۴۲)

جب عام مسلمان سفر میں ہو تو اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے تو معراج کی رات اللہ تعالیٰ، مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ کیوں نہیں ہوسکتا۔ پس وہ اپنی شان کے لائق، اپنی مدد و نصرت، لطف و عنایت اور ہدایت کے ساتھ مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ ہے۔ اس کا ساتھ ہونا اس کی شان کے لائق ہے، اس کا ساتھ ہونا انسانوں کے باہم ساتھ ہونے جیسا نہیں ہے۔ قرآن مجید نے اس کی وضاحت یوں فرمائی:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ. (ق:۱۶)

’’اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں‘‘۔

وہ شہ رگ کے قریب ہے اور کوئی اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ اللہ ہمہ وقت ہمارے ساتھ ہے مگر نظر نہیں آتا۔ اسی طرح جب ہمارے ساتھ ہو تو نظر نہیں آتا مگر مصطفیٰ ﷺ کو جب ساتھ لے گیا تو انہیں ہر لحہ نظر آتا تھا تاکہ اجنبیت محسوس نہ کریں۔ آقا ﷺ کے لئے ابتداء سفر سے لے کر انتہاء سفر تک اللہ نے اپنی مصاحبت دی۔ ابتداء میں بھی فرما **اسریٰ بعبدہ** میں ساتھ ہوں اور جب سفر مکمل ہوگیا، انتہاء ہوگئی اور مقام **ثم دنی فتدلی** تک پہنچے وہاں بھی خدا نے بڑھ کر استقبال کیا۔

حضرت موسیٰ کو چلتے ہوئے ساتھ لینے کوئی آیا نہ کوہ طور پر استقبال کے لئے کوئی آیا مگر حضور ﷺ کے قریب پہنچنے پر فرمایا **ثم دنیٰ** محبوب یہاں تک آپ آئے ہیں، اب رک جائیں اس سے آگے لینے کے لئے میں آتا ہوں۔۔۔ صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ

دنی الجبار رب العزت فتدلی.

’’اللہ رب العزت قریب ہوا اور پھر مزید قریب ہوا‘‘۔

(صحیح بخاری، کتاب التوحید، ج۶، ص۲۷۳۱، رقم ۷۰۷۹)

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى. (النجم: ۹)

’’پھر (جلوۂ حق اور حبیبِ مکرّم ﷺ میں صِرف) دو کمانوں کی مقدار فاصلہ رہ گیا یا (انتہائے قرب میں) اس سے بھی کم (ہوگیا)‘‘۔

اللہ تعالیٰ ابتداء اور انتہاء دونوں میں حضور ﷺ کے ساتھ ہے۔ یہی دیگر پیغمبروں کی بندگی اور مصطفیٰ ﷺ کی بندگی میں فرق ہے۔

❁❁❁❁❁

کسبِ حلال

مغفرت و قربِ الٰہی کا باعث

علامہ محمد معراج الاسلام

حضرت مقدام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ماأكل أحد طعاما قط خيرا من ان يأكل من عمل يده .وان نبی الله داؤد كان يأكل من عمل يده.

''کسی نے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے بہتر کھانا کبھی نہیں کھایا۔ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے کما کر کھایا کرتے تھے''۔ (صحیح بخاری، ج ۲:ص ۷۳۰)

شرح و تفصیل

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو نبوت کے ساتھ بادشاہت بھی عطا فرمائی تھی۔ آپ ایک وسیع و عریض اور بہت بڑی سلطنت کے مالک تھے اور عدل وانصاف کے ساتھ حکومت فرماتے تھے۔ فرائض نبوت کی ادائیگی کے ساتھ، آپ کے انصاف پر مبنی انداز حکمرانی، کرم وسخاوت، فہم وفراست اور جاہ وجلال کا ہر طرف شہرہ تھا۔ سب آپ کو ایک جلیل القدر نبی اور عادل بادشاہ کی حیثیت سے پہچانتے تھے اور دل سے احترام کرتے تھے۔

اہل اللہ کی طرح بے حد تواضع پسند، مسکین طبع اور منکسر المزاج تھے اور خامیاں نہ ہونے کے باوجود اپنی ذات میں خامیوں کی تلاش میں رہتے تھے تاکہ اگر کوئی خامی نظر آجائے تو اس کا ازالہ کرسکیں مگر نبی ہونے کی وجہ سے وہاں خامیوں کا نشان تک نہ تھا کیونکہ نبی ہر عیب اور خامی سے پاک ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے معصوم عن الخطاء بنا کر بھیجتا ہے۔ آپ کا دستور یہ تھا کہ دور افتادہ علاقوں میں نکل جاتے اور اجنبی لوگوں سے اپنے بارے میں دریافت فرماتے۔ سب لوگ کھلے دل سے تعریف کرتے اور آپ کی ذات کو انمول اور بے مثل قرار دیتے۔ بعض باتیں مقرب حضرات کی شان کے لائق نہیں ہوتیں۔ اللہ کی سنت یہ ہے کہ اپنے ان محبوب اور مقبول بندوں کو بڑے ہی پیار بھرے انداز میں، ان معاملات سے آگاہ فرمادیتا ہے تاکہ وہ ان کو ترک فرما دیں۔ یہ تنبیہ اور آگاہی ان کے قرب خاص اور اعلیٰ مقام و مرتبے کی وجہ سے ہوتی ہے۔

داؤد علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا، اللہ تعالیٰ نے انسانی روپ میں فرشتہ بھیج دیا، جس سے آپ نے معمول کے مطابق اپنے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا:

داؤد بڑے ہی مقرب اور اچھے آدمی ہیں مگر ان کی ایک بات کھٹکتی ہے۔ وہ یہ کہ بیت المال سے وظیفہ لیتے ہیں، ہاتھوں سے کما کر نہیں کھاتے۔ اگر وہ محنت مزدوری کرکے کما کر کھائیں تو اور بھی اچھے ہوجائیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اس تنقید اور آگاہی کو اپنے لئے اللہ کی طرف سے تنبیہ سمجھا اور بیت

المال سے وظیفہ اور گزارہ الاؤنس لینا ترک کر دیا اور محنت مزدوری کی طرف توجہ دی۔ زرہ سازی کا پیشہ اختیار فرمانے کا فیصلہ فرمایا۔ اس عمل میں لوہے کو آگ میں گرم کر کے کڑیاں بنانا پڑتی تھیں جو ایک دشوار ترین کام تھا۔ امور جہاں بانی اور فرائض نبوت کی ادائیگی کے ساتھ اس کام کے لئے وقت نکالنا بہت مشکل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مشکل کو آسان کر دیا۔ وہ اس طرح کہ لوہے کو آپ کے لئے موم بنا دیا۔ آپ جونہی لوہے کو ہاتھ میں پکڑتے وہ آگ میں ڈالے بغیر ہی موم کی طرح نرم ہوجاتا۔ آپ جس طرح چاہتے اسے مروڑ کرکڑیاں بنا لیتے اور ایک دوسرے میں پیوست کر کے فوراً زرہ تیار کر لیتے۔ اس صنعت خاص یعنی زرہ سازی اور اس کی ساخت کی حیرت انگیز کیفیت کا ذکر قرآن پاک میں اس طرح ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ. اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ.

’’اور بے شک ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو اپنی بارگاہ سے بڑا فضل عطا فرمایا، (اور حکم فرمایا) اے پہاڑو! تم اِن کے ساتھ مل کر خوش اِلحانی سے (تسبیح) پڑھا کرو، اور پرندوں کو بھی (مسخر کر کے یہی حکم دیا)، اور ہم نے اُن کے لیے لوہا نرم کر دیا۔ (اور ارشاد فرمایا) کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور (ان کے) حلقے جوڑنے میں اندازے کو ملحوظ رکھو‘‘۔ (سبا: ۱۰.۱۱)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَاْسِكُمْ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ. (الانبیاء: ۸۰)

’’اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو تمہارے لیے زرہ بنانے کا فن سکھایا تھا تاکہ وہ تمہاری لڑائی میں تمہیں ضرر سے بچائے، تو کیا تم شکر گزار ہو؟‘‘۔

ہنرمند پیشہ ور لوگ

معیار شرافت اور سماجی قدریں بدل جانے کی وجہ سے آج کل معاشرے میں محنت مزدوری کرنے والے اہل ہنر کو دوسرے درجے کا شہری تصور کیا جاتا ہے اور ان کے مسائل واحوال سے بے اعتنائی برتی جاتی ہے۔ ان کی محنت و مشقت کے بل بوتے پر عیاشی کرنے والے دولت مند لوگ انہیں کیڑے مکوڑوں سے زیادہ حیثیت دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور مزدوری کے انتظار میں سڑکوں پر بیٹھی ہوئی اس بے ضرر اور مسکین مخلوق کو دیکھ کر اس طرح منہ پھیر لیتے ہیں جیسے وہ انسان نہ ہوں اور گاڑی تیز کر کے ان کے ہجوم سے یوں نکل جاتے ہیں جیسے وہ انہیں چمٹ جائیں گے۔

یہ انداز خسروانہ اس لئے ہے کہ انہیں محنت کی عظمت اور اللہ کے ہاں اس کی قدرو قیمت کا پتہ نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں یہ بھوک سے مرجھائے ہوئے چہرے پسینے میں شرابور کالے بدن، چلچلاتی دھوپ میں ہتھوڑا چلانے والے کھردرے ہاتھ اور زندگی کی آسائشوں اور بنیادی ضرورتوں سے محروم یہ لوگ کسی عزت و احترام کے مستحق نہیں کیونکہ ان کے پاس دولت کے انبار اور عیش وعشرت کے وہ لوازمات نہیں جو ہمارے پاس فراوانی کے ساتھ ہیں۔

اللہ کے ہاں عزت وعظمت اور قدر ومنزلت کا یہ بے معنی اور دنیا دارانہ معیار نہیں ہے۔ اس کے ہاں قابل احترام اور عزت وآبرو والا وہ شخص ہے جو غیرت مند، باوقار، محنتی اور خود دار ہے اور کسی کے ہاتھوں کی طرف دیکھنے کے بجائے اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاتا ہے اور اپنی ضروریات کی تکمیل کیلئے کسی کے آگے ہاتھ پھیلا نا گوارا نہیں کرتا۔ دنیا کا ذہن یہ ہے کہ دوسروں کو بے وقوف بناؤ، ان کی مجبوری، بھولپن اور ناتجربہ کاری سے بھرپور فائدہ اٹھاؤ اور ان کی جسمانی قوت و طاقت اور محنت و مشقت سے

اپنے لئے لذت کشید کرو۔ جو شخص جتنا زیادہ مکار وعیاراور دوسروں سے کام نکالنے کا ماہر ہو، اسے اتنا ہی کامیاب اور ہوشیار تصور کیا جاتا ہے اور وہ بھی خود کو بڑا دانا سمجھتا ہے۔لیکن اللہ کے ہاں یہ طرزِ عمل دانائی نہیں بلکہ کمینگی ہے۔ دوسروں کی محنت پر گل چھرے اڑانا اور ان کے حقوق غصب کرکے' اپنے محلات اور عشرت کدے تعمیر کرنااور انہیں محنت کا غیر منصفانہ معمولی معاوضہ دے کرٹرخا دینا اور اپنی آسائشوں کی سیج سجانا بے غیرتی ہے۔

محنت کرنے والے پیشہ ور اور چھوٹے چھوٹے کاروبار سے منسلک لوگ عام طور پر اتنے خوش حال نہیں ہوتے کہ اپنی ہر ضرورت پوری کرسکیں اس لئے وہ دنیا داروں کی نظر میں نہیں جچتے ۔ وہ انہیں کم نصیب اور بے حیثیت سمجھتے ہیں اورحقیر نظروں سے دیکھتے ہیں اور اپنی کوتاہ نظری یا کم ظرفی اور کمینگی کی وجہ سے کوئی سماجی مقام دینے کیلئے تیارنہیں ہوتے مگر یہی لوگ اپنی محنت و مشقت اور ہنرمندی کے ساتھ حلال کمائی کرنے کی وجہ سے اتنے معزز ہوتے ہیں کہ اللہ ان سے محبت فرماتا ہے اور پسینے میں شرابور' بد بو دار اور میل کچیل میں اٹا ہونے کے باوجود ان سے نفرت نہیں فرماتا بلکہ ان کے اس جذبہ عمل اور جوش و خروش کے ساتھ محنت کرنے کی وجہ سے انہیں اپنا قرب عطا فرماتا ہے ۔وجہ یہ کہ وہ اس کے حکم کی تعمیل میں حلال و طیب کمائی کے حصول کے لیے کوشاں ہوتے ہیں اور اپنی غیرت وخود داری کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔

محنت و مزدوری کے فضائل

احادیث مبارکہ میں محنت مزدوری کے جو فوائد اور بندہ مزدور کے جو فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ آیئے ان کا مطالعہ کرتے ہیں:

۱۔ ان اللہ یحب العبد المحترف (مسند احمد)

''بے شک اللہ ہنرمند بندے سے بڑی ہی محبت فرماتا ہے''۔

۲۔ ان اللـه یـحب ان یری عبده تعبا فی طلب الحلال (کنزالعمال ج ۴،ص۴)

''بے شک اللہ پسند فرماتا ہے کہ اپنے بندے کو حلال روزی کی تلاش میں تھکا ہوا دیکھے''

۳۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں'حضور ﷺ نے فرمایا : جس شخص نے اس حال میں شام کی کہ وہ تھک کر چور ہوچکا تھا تو یوں سمجھو گویا اس نے اس حال میں شام کی کہ اس کے تمام گناہ معاف ہوچکے ہیں۔''(طبرانی)

۴. من کد علی عیاله کان کالمجاهد فی سبیل الله. (احمد)

''جو اپنے اہل وعیال کے لئے محنت و مشقت کرتا ہے وہ گویا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا ہے''۔

۵. مـن طـلـب الـدنیا حلالاً استعفافا عن الـمسـئالة وسعیاعلی اهله' و تعطفا علی جارہٖ لقی الله و و جهه کالقمر لیلة البدر

'' جس نے حلا ل راہ سے دنیا طلب کی تاکہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچ سکے اور اپنے اہل وعیال کو کما کر کھلا سکے اور اپنے پڑوسی کی بھی مدد کرسکے۔ وہ اللہ کے حضور اس شان سے آئے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہوگا''۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج۴،ص۴۶۷)

۶۔ ان اطیب ما اکلتم من کسبکم.

'' جو تم خود کما کر کھاتے ہو وہ پاکیزہ ترین رزق ہوتا ہے''۔(سنن ابن ماجہ، ج۲،ص۷۶۸)

ان احادیث مبارکہ میں انسان کو واضح ارشادات کے ذریعے اس حقیقت سے آگاہ کردیا گیا ہے کہ محنت و مزدوری کرنے والا ہنرمند شخص اللہ کا محبوب ہوتا ہے ۔ اس لئے وہ باعث تکریم ہے' محنت و مشقت

ماہنامہ منہاج القرآن کے سالانہ خریداران متوجہ ہوں! مصروفیات کی بناء پر کئی احباب ماہنامہ منہاج القرآن کی سالانہ خریداری کے دوبارہ اجراء کیلئے نہ تو مرکز آسکتے ہیں اور نہ ہی منی آرڈر کے ذریعے اپنا زرِتعاون بھجواسکتے ہیں۔ ان احباب کی سہولت کیلئے فیصلہ کیا گیا ہے کہ آئندہ ماہنامہ منہاج القرآن کے جن سالانہ خریدار احباب کا زرِتعاون جس مہینے ختم ہوجائے گا، اس سے اگلے ماہ ان احباب کو 250 روپے سالانہ خریداری کے عوض شمارہ VP کیا جائے گا تاکہ شمارہ سے استفادہ کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے اور انہیں بغیر تعطل کے ہر ماہ شمارہ ملتا رہے۔

امید ہے کہ آپ VP کی صورت میں ارسال کئے گئے شمارہ کو پوسٹ مین سے وصول کرکے اپنے تعاون کو جاری و بحال رکھیں گے۔ (ادارہ)

کے سبب جو اس کے چہرے اور بدن کی رنگت بدل جاتی ہے اور وہ دھوپ سے جھلس جاتا ہے تو اس کی یہ قربانی رائیگاں نہیں جائے گی بلکہ قیامت کے روز اس کے بدلے میں اسے وہ حسن و جمال عطا کیا جائے گا کہ چودھویں کا چاند بھی شرمائے گا۔

اللہ کے ہاں محنت و مشقت کی حلال کمائی کو جو فضیلت حاصل ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو بھی کسب کے ذریعے کھانے کا حکم دیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات ہنرمند بھی تھے اور فرائض نبوت ادا کرنے کے ساتھ ساتھ محنت کرکے روزی بھی کماتے تھے۔جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کھیتوں میں ہل چلاتے تھے۔۔۔ جناب ادریس علیہ السلام درزی تھے۔۔۔ جناب نوح علیہ السلام اورحضرت زکریا علیہ السلام ترکھان تھے۔۔۔ جناب لوط علیہ السلام کاشتکار تھے۔۔۔ جناب شعیب علیہ السلام نے ریوڑ پالے ہوئے تھے۔۔۔ جناب موسیٰ علیہ السلام اپنی بکریاں آپ چراتے رہے۔۔۔ جناب داؤد علیہ السلام زرہ ساز تھے جبکہ حضور ﷺ نے بھی ابتدائی عمر میں بکریاں چرائیں اور پھر کافی عرصہ تجارت فرماتے رہے۔

ہنر مند اور دستکار ہونا کسی بھی اعتبار سے معیوب نہیں اور نہ ہی یہ دنیا داری ہے۔ چونکہ حلال کمائی کا حکم اللہ پاک نے دیا ہے اور ہنر مند محنتی انسان حلال کی کمائی کیلئے تگ و دو کرتا ہے اس لئے خلوص نیت سے محنت کرنے والے شخص کو چودھویں کے چاند کی طرح خوبصورت بنا دیا جائے گا۔

حضرت کعبؓ روایت کرتے ہیں:

ہم اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے ہمراہ صبح سویرے بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک صحت مند بڑے ہی خوبصورت نوجوان کو دیکھا جو نور کے تڑکے محنت و مشقت کیلئے آ گیا تھا۔ ہم نے اس کی اس محنت و مشقت کو دنیاوی حرص اور لالچ پر محمول کیا اور کہا کہ اگر یہ شخص اللہ کے راستے میں نکلتا تو کتنا اچھا تھا! اب اس کی ساری تگ و دو کا محور صرف دنیا ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کہو! اگر یہ نوجوان اس لئے محنت کر رہا ہے تاکہ اسے دوسروں کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے تو بھی یہ اللہ کے راستے میں ہے اور اگر یہ ضعیف ماں باپ اور اہل و عیال کے لئے کوشش کر رہا ہے تو بھی یہ اللہ کے راستے میں ہے۔ البتہ اگر یہ دوڑ دھوپ اس لئے ہے تاکہ دولت جمع کرے اور دوسروں پر بڑائی جتائے تو شیطان کے راستے میں ہے۔

حضرت کعب بن عجرہؓ سے مروی مندرجہ بالا واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اپنے ماں باپ اور اہل و عیال کیلئے محنت مزدوری کرنے والا شخص راہ ہدایت پر گامزن ہوتا ہے۔

❁❁❁❁❁

آپ کے دینی مسائل

مفتی عبدالقیوم خاں ہزاروی

سوال: کیا عورتوں کا نماز، نفلی عبادات اور دیگر محافل کے لئے مسجد میں آنا جائز ہے؟

مسجدیں اسلام کا مرکز اور عبادت گاہیں ہیں اور یہ عبادت گاہیں بلاتفریق جنس تمام مسلمانوں کے لئے ہیں۔

آج چاروں طرف شیطانی جال موجود ہیں۔ نیکی سے روکنے والے قدم قدم پر سرگرم عمل ہیں۔ شیطانی حربوں کا توڑ یہ ہے کہ اسلام کے دور اول کی طرح عورتوں، بچوں اور مردوں کو زیادہ سے زیادہ مساجد میں نماز پنجگانہ، نماز جمعہ وعیدین، صلوٰۃ التسبیح، ذکر وتعلیم، درود و سلام کے لئے لایا جائے۔ یہ تو اچھی بات نہ ہو گی کہ شیطانی طاقتیں پوری منصوبہ بندی وعزم کے ساتھ گمراہی و تباہی کا اہتمام کریں اور دین کے خادم ان پر دین کے دروازے بند کر دیں۔ آج دنیا بھر میں عورتوں کی تعداد بوجوہ بڑھ رہی ہے۔ ان کی ہدایت اتنی ہی ضروری ہے جتنی مردوں کی۔ ان پر دین کی گرفت ڈھیلی پڑی تو اس کے تباہ کن اثرات صرف عورتوں پر ہی نہ پڑیں گے بلکہ نئی نسل جو ان کی گودوں میں پل رہی ہے وہ بھی گمراہ و بے دین ہو جائے گی۔ جس کے بھیانک نتائج بہت حد تک ہمارے سامنے آ چکے ہیں۔ اس لئے عورتوں کو مساجد سے دور رکھنا ان کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم رکھنا ہے۔ اگر ایک طرف علمائے کرام ان پر نیکی کے دروازے بند کریں اور دوسری طرف ان کی آوارگی وگمراہی پر معترض ہوں تو یہ علماء کے فکر وعمل کا تضاد ہے۔

عورت کا مسجد میں آنا اسلامی تعلیما کی رو سے جائز اور درست ہے۔ آیئے اس سلسلے میں چند احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں:

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱) **إذا إستاذنت إمرأة أحدكم إلى المسجد فلا يمنعها.**

’’تم میں سے کسی کی بیوی جب مسجد میں جانے کے لئے اجازت مانگے تو خاوند اسے منع نہ کرے‘‘۔

(بخاری، الصحیح، ۵:۲۰۰۷، الرقم: ۴۹۴۰)

(۲) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے اپنے محبوب ابوالقاسم ﷺ کو فرماتے سنا:

’’جس عورت نے مسجد میں جانے کے لئے خوشبو لگائی جب تک اسے دھو کر خوشبو ختم نہ کرے اس کی نماز قبول نہیں کی جاتی‘‘۔

(مسلم، الصحیح، ۱:۳۲۸، الرقم: ۴۴۲)

(۳) بلال ابن عبد اللہ بن عمر اپنے والد عبد اللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا تمنعوا النساء حظوظهن من المساجد إذا إستأذ نكم.

''جب عورتیں تم سے مسجدوں میں اپنا حصہ (حاضری کا) مانگیں تو، انہیں منع مت کرو! اس پر بلال نے کہا خدا کی قسم ہم عورتوں کو مسجد میں آنے سے ضرور منع کریں گے۔ حضرت عبد اللہ نے کہا میں کہتا ہوں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اور تو کہتا ہے۔ ہم ضرور ان کو منع کریں گے۔''

دوسری روایت میں سالم بن عبد اللہ نے اپنے والد کا یہ ردعمل نقل کیا ہے:

فأقبل عليه عبد الله فسبه سبا ما سمعته سبه مثله قط.

'' عبد اللہ نے اپنے بیٹے کی طرف رخ کر کے اسے سخت سست کہا، میں نے اس طرح کسی کو برا بھلا کہتے انہیں کبھی نہ دیکھا تھا''۔ فرمایا کہ ''میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی بات بتا رہا ہوں اور تو کہتا ہے خدا کی قسم ہم ضرور عورتوں کو مساجد سے منع کریں گے''۔

(مسلم، الصحيح، ١:٣٢٧، الرقم: ٤٤٢)

(۴) یہی روایت ذرا لفظی اختلاف کے ساتھ یوں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا يمنعن رجل أهله أن ياتوا المساجد.

'' کوئی شخص اپنی بیوی کو مساجد میں آنے سے ہرگز منع نہ کرے''۔ اس پر عبد اللہ بن عمر کے بیٹے نے کہا: **فإنا نمنعهن.** '' بیشک ہم ان کو منع کریں گے''۔

اس پر عبداللہ نے کہا: **أحدثك عن رسول الله ﷺ وتقول هذا.** ''میں تجھے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد بتا رہا ہوں اور تو یہ کہہ رہا ہے:

فما كلمه عبد الله حتىٰ مات.

'' اس پر عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے مرتے دم تک بات نہیں کی''۔

(احمد بن حنبل، المسند، ٢:٣٦، الرقم: ٤٩٣٣)

(۵) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خير صفوف الرجال اوّلها وشرّها آخرها. وخير صفوف النسآء آخرها وشرها أولها.

''مردوں کی سب سے بہتر پہلی اور سب سے بری آخری صف ہے۔ اور عورتوں کی سب سے بہتر آخری اور سب سے بدتر پہلی صف ہے''۔

(مسلم، الصحيح، ١:٣٢٦، الرقم: ٤٤٠)

نوٹ: مردوں کی سب سے بہتر پہلی صف ہے کہ عورتوں سے زیادہ دور ہے، مردوں کی سب سے بُری آخری صف ہے کہ عورتوں سے قریب تر ہے۔ عورتوں کی سب سے اچھی آخری صف ہے کہ مردوں سے زیادہ دور ہے اور سب سے بری پہلی صف ہے کہ مردوں سے قریب تر ہے۔ ان ارشادات سے کیا ثابت ہوا؟ کہ عورتوں کو مسجد میں نماز ادا کرنے سے رسول اللہ ﷺ نے ہرگز ہرگز منع نہیں فرمایا۔ بلکہ ان کے مسائل وضروریات کا لحاظ فرمایا۔ آج بھی یہی اسلام ہے۔ یہی تقویٰ ہے جو سنت کے عین مطابق ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی امام کے پیچھے ہلکی پھلکی اور مکمل نماز نہیں پڑھی۔ بچے کے رونے کی آواز سن کر نماز ہلکی پھلکی کر کے ادا فرماتے: **فحافة أن تفتن امه.** '' اس ڈر سے کہ بچے کی ماں کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے (نماز کے دوران بچے کے رونے کی آواز سے اس کا دھیان نماز سے ہٹ کر بچے کی طرف مبذول ہو جائے گا وغیرہ)''۔

بخاری کی روایت میں ہے فرمایا:

میں نماز میں لمبی قرأت کرنا چاہتا ہوں۔ پھر بچے کے رونے کی آواز سن کر مختصر کر دیتا ہوں کہ میں جانتا ہوں کہ اس کی آواز سن کر ماں کتنی پریشان ہو جاتی ہے''۔

(بخاری، الصحیح، ١:٢٥٠، الرقم: ٦٧٥)

معلوم ہوا کہ عورتیں نماز با جماعت ادا کر رہی ہیں۔ بچوں کے رونے کی آوازیں گھروں سے آ رہی ہیں مگر

سرکار ﷺ نے کبھی ماؤں کو نماز با جماعت کی ادائیگی سے منع نہیں فرمایا بلکہ خود ان کی مجبوری و پریشانی کا ازالہ ہلکی پھلکی نماز وقرأت کے ذریعہ فرمایا۔

رہی یہ بات کہ عورتوں کے مساجد میں آنے سے فتنہ وفساد کو فروغ ہوگا، درست نہیں۔ نماز تو بے حیائی و برائی سے منع کرتی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ.

''بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے''۔ (العنکبوت، ۲۹: ۴۵)

پس جس طرح جلسوں، اجتماعات، کانفرنسز اور سیمیناروں میں، مزاروں، بازاروں، کھیت کھلیانوں، کارخانوں، اینٹوں کے بھٹوں، دفاتر و مدارس و جامعات میں عورتوں کے کام کرنے، تعلیم اور تربیت لینے پر پابندی نہیں بلکہ ہر مقام پر حسب ضرورت عورتیں کام کرتی ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ مساجد میں نماز پنجگانہ و جمعہ وعیدین اور دیگر دینی تقریبات میں کیوں شریک نہیں ہوسکتیں؟ علمائے ربانیین اور سنجیدہ سمجھدار مسلمانوں کو مساجد میں عورتوں کے لئے نہ صرف نماز پنجگانہ نماز جمعہ وعیدین بلکہ ان کی صحیح تعلیم و تربیت کے لئے بھی معقول اور فوری بندوبست کرنا چاہیے۔ یہی گمراہی کے آگے حفاظتی بند اور ہماری نجات کا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔

سوال: شادی بیاہ کی رسومات میں دولہا کو سہرا اور کلائی پر گانہ باندھنا، دلہن کے لئے لال دوپٹہ کا ضروری ہونا اور اسی طرح کی دیگر رسومات بارے شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: دولہا کو سہرا باندھنا، کلائیوں پر گانہ باندھنا، کاندھے پر اجرک ڈالنا، لاچہ پہننا، دلہن کو لال دوپٹہ اوڑھنا، جہاں تک میں سمجھتا ہوں کلائیوں پر یا بازو پر ایک تو تعویذ باندھا جاتا ہے، یہ تو اللہ کا کلام ہے جو برکت و حفاظت کے لئے باندھا جاتا ہے، جائز ہے۔ باقی سہرا، گانہ، اجرک، لاچہ، لال دوپٹہ اور آج کل سر پر کلاہ خاص قسم کا، یہ تمام اس موقع پر خوشی کے اظہار میں اپنا اپنا علاقائی رواج ہے۔ تھوڑے تھوڑے فرق سے ہر علاقہ میں پایا جاتا ہے۔ اس خوشی کے موقع پر ان رسومات کو کرنے میں کوئی حرج نہیں، کرنا ضروری بھی نہیں۔ ہم نے اپنی شادیوں کے موقع پر سہرا وغیرہ نہیں ڈالا۔ کئی رسموں سے الگ رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ بارات میں دولہا کی پہچان تک نہ ہوتی، نہ کوئی امتیاز۔ تاہم جو لوگ اسے پسند کرتے ہیں کریں۔ جو پسند نہیں کرتے نہ کریں۔ نہ یہ چیزیں ناجائز وحرام ہیں، نہ سنت و واجب یا فرض۔ کوئی کرتا ہے تو کرے نہیں کرتا تو نہ کرے۔ نہ کرنے والوں کو الزام دیں اور نہ ہی ان چیزوں کو ناپسند کرنے والوں کو۔ یہ دینی مسائل نہیں صرف رسم و رواج کی باتیں ہیں اور لوگوں کی پسند و ناپسند پر منحصر ہیں اور بس ہمارے بعض لوگ ان جیسے مسائل میں الجھ کر اپنا اور دوسروں کا وقت ضائع کرتے ہیں، یہ روش ترک کردینی چاہئے۔

۞۞۞۞

سانحہ ارتحال

گذشتہ ماہ مفتی اعظم ادارہ منہاج القرآن محترم مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی کی اہلیہ محترمہ قضائے الٰہی سے انتقال فرماگئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی نماز جنازہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے مرکزی سیکرٹریٹ پر پڑھائی۔ نماز جنازہ میں مرکزی قائدین تحریک، اساتذہ منہاج یونیورسٹی، علماء کرام، کارکنان اور طلباء کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ شیخ الاسلام نے مرحومہ کی بخشش ومغفرت کے لئے خصوصی دعا فرمائی۔ قائدین تحریک، اساتذہ اور دیگر احباب نے محترم مفتی صاحب سے اظہار تعزیت کیا۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی بخشش ومغفرت فرماتے ہوئے انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

نگاہے یا رسول اللہ ﷺ نگاہے

منیر احمد ملک۔ مظفر گڑھ

مومن کا زادِ راہ تو فقط محبت رسول ﷺ ہے۔۔۔

اور یہی محبت۔۔۔ زندگی کا سب سے بڑا اثاثہ۔۔۔

ان کی محبت ہے سلامت ہم بھی
ان کی محبت کے سوا کچھ نہ خدارا مانگو

محبت؟۔۔۔ زندگی ہے۔

زندگی کا خوبصورت استعارہ ہے
فضائے دہر میں کوئی بھی موسم ہو
کوئی کتنا ہی برہم ہو
دل و جاں نے بہت صدمات جھیلے ہوں
محبت نے ہمیشہ حسن کا چہرہ نکھارا ہے
ہر اک ویران آنگن میں
ہمیشہ زندگی کرنے کے جذبے کو ابھارا ہے
اور اگر یہ کہا جائے تو وادئ جاں مہک مہک جائے کہ
مسافر نیم جاں ہو کر۔۔۔ اجل کی راہ تکتا ہو
سلگتی ریت کے ذرے۔۔۔ بدن کو چاک کرتے ہوں
لہو زخموں سے رس رس کر۔۔۔ زمیں پر خاک ہوتا ہو
تو ایسے میں مرے ہمدم۔۔۔ محبت زخم بھرتی ہے
محبت چھاؤں کرتی ہے۔۔۔ محبت ابرِ باراں ہے

اصل حیات تیری محبت ہے جان جاں
ہے تیرا عشق اصل میں سرمایہ حیات

محبوب خدا آقائے دو جہاں ﷺ کا نام زمان و مکاں کی سرحدوں سے بہت بلند ہے۔ پانچوں وقت شرق سے غرب روئے زمین کے ہر خطے میں اذانوں میں مسجدوں کے فلک بوس میناروں سے شب و روز محمد ﷺ کے حسین نام کی منادی ہوتی ہے۔ صدیاں بیت گئیں مگر اس آواز کا سحر آج بھی گردش لیل و نہار کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے۔۔۔ یہ حسن آرا نام تسکینِ قلب و جاں ہی نہیں بلکہ وہ مینارۂ نور بھی ہے جس کی روشنی میں بھولی بھٹکی انسانیت آج بھی منزل کا نشاں پاتی نظر آتی ہے۔

؎ آوازِ سحر سُن اور خموشی سے غور کر
یہ کس کا نام لینے، ہوتی ہے سحر پیدا

قدسی مقال اقبالؒ نے اپنی عقیدت کے عطر کو اِن خوبصورت الفاظ کی سُندرتا میں سمویا ہے۔

؎ در جہانِ ذکر و فکر و انس و جاں
تُو صلوۃِ صبح تو بانگِ اذاں

جہاں تک محبوبِ دو جہاں ﷺ کے جمالِ جہاں آرا کا تعلق ہے تو اِس حُسنِ تصور کی پاسداری کے لئے سینے میں دھڑکتے ہوئے دلوں کے بطن سے جگر ہائے لخت لخت جمع کئے جاتے ہیں۔۔۔ ڈوبے ہوئے مہر و مہ کی چھنتی ہوئی روشنی میں عقیدتِ مصطفیٰ ﷺ کے چمکتے ہوئے کواکب کو چُنا جاتا ہے۔۔۔ بیتی ساعتوں کی ڈولتی چاندنی میں اِرادتِ مرتضیٰ ﷺ کی زرتار کرنوں سے ریشم و کمخواب بُنا

جاتا ہے۔۔۔ تب جا کر محبتِ رسول ﷺ اِن کے اطلسی پردوں میں جھروکے سے جھانکتے ہوئے چاند کی طرح سینۂ قرطاس پہ ہشت پہلو میں جلوہ گر ہوتی ہے۔۔۔ اور فکرو عمل، تحریر وتقریر محبت رسول ﷺ سے معمور ہوتے ہیں۔

ماتھا ہے جیسے چاند کی کشتی پہ آفتاب
اَبرو ہیں جیسے جھیل پہ سوئی ہوئی ہو رات
اُس موہنے سے مُکھ پہ آنکھیں خد دراز
اُس کے لباں ہیں مُشک سے لکھے ہوئے گلاب
یا ایھا المزمل! سورج بھی ماند ہیں
یا ایھا المدثر! کملی میں چاند ہیں

میرے حضور ﷺ کا حُسن بلاشبہ نظروں کو خیرہ کردینے والی روشنی ہے اللہ کسی کو توفیق دے تو دیکھے کہ روشنی لفظوں میں کیسے گوندھی جاتی ہے۔۔۔ چاند آنکھوں میں کیسے اُتارے جاتے ہیں۔۔۔ اور جان اُن پہ کیسے واری جاتی ہے۔

گہر وہ لفظ کتنے محترم ہیں
جو کام آجائیں آقا ﷺ کی ثنا میں

حضور اکرم ﷺ کا ہر ارشاد قولِ فیصل ہے اور ہر عمل زندگی کے لئے نشانِ منزل۔ اسی لئے فرمایا گیا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (الاحزاب:۲۱)

’’فی الحقیقت تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونۂ (حیات) ہے‘‘۔

یہ رہنمائی قدم قدم پہ ملتی ہے، بات بات میں بھی اور اشارات و کنایات میں بھی، اِس مہہ تاباں کی چاندنی اعجازِ تکلم میں بھی نکھرتی ہے اور حُسنِ گفتار میں بھی۔ اس جمالِ جہاں آرا کی روشنی پھولوں کی طرح کھلتے لبوں میں بھی ملتی ہے اور خامشی وسکوت کی منہ بند کلیوں میں بھی۔

غرض آپ ﷺ سراسر رُشد و ہدایت، سراپا روشنی، سرتا بقدم مجسمۂ حُسن و کمال اور مینارۂ نور ہیں جن سے پوری انسانیت قیامت تک رہنمائی اور صراطِ مستقیم کا نشاں پاتی رہے گی۔

پردہ اِس چہرہ انور سے اٹھا کر اِک بار
اپنا آئینہ بنادے مہہِ تاباں ہم کو

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چلنے کی ایک ہی صورت ہے کہ قافلہ سالارِ عشق سیدنا صدیق اکبرؓ کے دردِ فراق اور سوزِ عشق کا رنگ امتِ مرحومہ میں پیدا کیا جائے۔ امتِ مرحومہ کا ہر فرد اس خزانہ عشقِ مصطفیٰ ﷺ کو یوں اپنے انگ انگ میں بسائے ہوئے ہو کہ ہجر کے گیت اس کے لب پر ہوں۔۔۔ عقیدت کے آنسو لئے ہوئے ہو۔۔۔ جدائی کی کسک موجود ہو۔۔۔ ملن کی تڑپ ہو۔۔۔ ہجر وفراق میں سلگتے دلوں میں محبت بھری داستاں ہو۔۔۔ محبت بھی وہ جو پھول کی طرح مُنزہ اور چاند کی طرح بیداغ ہو۔۔۔ خالقِ کائنات نے جسے معراج کی رات اپنے محبوب ﷺ کی موجودگی میں ترتیب دیا۔ الغرض ہر فرد بارگاہ محبوب ﷺ میں پہنچنے کی تڑپ اور ان کے حضور ﷺ حاضری کی تمنا لئے ہوئے ہو۔ مہرو وفا کے اس لالہ زار میں کھلے ہوئے ہر پھول کی خوشبو روحِ محمد ﷺ سے مُشک بو ہو تو تب جا کر محبت فکروعمل پر بھی اپنے اثرات مرتب کرتی ہے۔ بقول انوار المصطفی ہمدمی

احساس میں مہکی ہوئی خوشبو تری باتیں
الفاظ میں اُترا ہوا جادو تری باتیں
تُو حُسن مرے دن کے اجالوں کی دھنک کا
راتوں کو چمکتے ہوئے جگنو تری باتیں
تُو ہی تو دلاسا ہے مرا شامِ الم میں
بہنے نہیں دیتی مرے آنسو تری باتیں
اُڑ جائے اگر نیند غمِ دہر سے میری
سہلا کے سُلا دیتی ہیں گیسو تری باتیں
چلتا ہوں تو دامن بھی چمک اٹھتا ہے میرا
پھیلی ہیں گُہر بن کے ہر اک سو تری باتیں
سنتا ہوں جو بہتے ہوئے جھرنوں کا ترنم

محسوس ہوا کرتا ہے بس تُو تری باتیں
سرمایہ ہیں انوار کی اس عمرِ رواں کا
جاناں تری آنکھیں ترے اُبرو تری باتیں
گویا

؎ اُن کی باتیں امرت جیسی کانوں میں رس گھولیں
وہ بولیں ہم سنتے جائیں جیون بھر نہ بولیں

حُسنِ یوسف (علیہ السلام) کے پرستاروں میں ایک خوش بخت بوڑھی عورت کا ذکر ملتا ہے جو سوت کی ایک اَٹی لے کر بازارِ مصر میں جانکلی تھی۔ وہ خوب جانتی تھی کہ اُس کا راس المال اُس کی بے مائیگی کا اشتہار ہے لیکن اُس کی جرأتِ رندانہ نے اُس کے نام کو جریدہ عشاق کی پیشانی کا جھومر بنادیا۔ وہاں معاملہ منصبِ نبوت کے لاتعداد حاملین میں سے صرف ایک نبی کا تھا اس کے مقابلے میں ہماری عقیدت کا مرجع، ہمارے ایمان کا منبع، ہمارے وجدان کا منتہا، ہمارے احساس کا ملجا اور ہمارے شعور کا مدعا وہ ذات پاک ہے جو خاتم المرسلیں، رحمت اللعالمیں، محسنِ انسانیت، سرورِ کائنات اور محبوبِ کبریا ﷺ کی امتیازی صفات سے مُتصف ہے۔

اِس دُرِیتیم کی سیرتِ طیبہ کے بے شمار پہلوؤں کو اجاگر کرنے والے ان گنت اہلِ قلم روزِ اول سے ہی مصروفِ کار ہیں اور ''ہر گُلے رارنگ و بوئے دیگر است'' کی تفسیر رقم ہوتی جارہی ہے۔ اصحابِ فکرونظر اپنی بساط اور ظرف کے مطابق قافلہ در قافلہ زمان و مکان کی حدود قیود سے بے نیاز پروانہ وار اس آخری شمع رسالت ﷺ کی بارگاہ ناز میں ہدیہ نیاز پیش کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں کوشاں رہتے ہیں اور یہ سلسلہ ابد تک یونہی چلتا رہے گا لیکن اُس خیرالبشر ﷺ کے اوصافِ حمیدہ بیان ہوسکے ہیں نہ ہوسکیں گے۔ ذوقِ سلیم کی تشنگی آج بھی وہی ہے جو صدیوں پہلے تھی۔ اظہارِ بیاں کا عجز اورفکرِ رسا کی نارسائی روز بروز نمایاں ہوتی جارہی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ خود خالقِ کون ومکاں اور اس کے مقربین ملائکہ ہمارے آقا نامدار ﷺ کی مدح وثنا میں رطب اللساں رہتے ہوں اور اہل ایماں کے نام فرمان جاری ہوچکا ہو کہ وہ سرورِ کائنات ﷺ پر درود وسلام بھیجتے رہیں۔ ان حالات میں ہمارا عزمِ مدحت نگاری سوائے خیالِ خام کے اور کیا ہوسکتا ہے جہاں لعل و گہر کے خزانے لٹانے والوں کو ختم نہ ہونے والی قطاریں لگی ہوئی ہوں وہاں ہماری سوت کی اَٹی کی کیا حیثیت ہے لیکن پھر بھی اِس جسارت کے پیچھے اظہارِ عقیدت کا جذبہ کارفرما ہے شاید بارگاہِ رسالت پناہ ﷺ میں بار پا جائے۔

؎ تُو رنگ ہے خوشبو ہے حلاوت ہے نمو ہے
تُو حُسنِ چمن بن کے مری آنکھ میں لہرائے
کجلائے نہ سورج تری رحمت کا ابد تک
تاحشر ترے پیار کا مہتاب نہ گہنائے
جو عہد بھی آئے تری سیرت پہ ہو نازاں
جو دور بھی آئے ترے کردار پہ اِترائے

ہماری ہر کاوش کا منتہا ومقصد یہ ہونا چاہئے کہ کاش ہم ناتمام دلوں میں آقائے دو جہاں ﷺ کی اُس والہانہ محبت کے ٹوٹے ہوئے تار کو پھر سے جوڑسکیں جو ہر صاحبِ ایماں کا سرمایہ دل و جاں ہے۔۔۔ دلوں کے اجڑے ہوئے چمن میں بادسحر گاہی کا نم جگہ پائے۔۔۔ قلب کے لق و دق صحرا میں حُبِ حبیب ﷺ کی صدا گونجے۔۔۔ اگر اس طرح ہوجائے تو سمجھیں بخشش کا سامان ہوگیا۔۔۔ اپنے آقا ﷺ کی ردائے رحمت میں جگہ پالی۔۔۔ حضور ﷺ کے سایۂ عاطفت میں پناہ مل گئی۔

؎ اِس سوچ میں ڈوبا ہوں ندامت میں گڑا ہوں
ہر چند گناہگار و سیاہ کار بڑا ہوں
گٹھڑی تھی گناہوں کی کہیں گر گئی سر سے
دربارِ رسالت میں تہی دست کھڑا ہوں

محبت رسول ﷺ روحِ ایماں بھی ہے اور

تسکینِ قلب و جاں بھی۔۔۔ یہ آبروئے ملت بھی ہے اور وقارِ زندگی بھی۔۔۔ جس نام کے صدقے میں ملی دولتِ کونین۔۔۔ وہ نام تو ہر وقت مرے وردِ زباں ہے۔

ہے گرمئی بازارِ محبت ترے دم تک
اے عشقِ نبی تو عظمتِ آدم کا نشاں ہے

ایمان کی عمارت خواہ کتنی ہی بلند و بالا کیوں نہ ہو اگر بنیادوں میں حُبِ رسول ﷺ کی آمیزش نہیں تو کچھ بھی نہیں۔۔۔ وہ تمام بلندی پستی کا اک ڈھیر ہے اور اس ڈھیر پہ کھڑے ہوکر خوشنودی خدا کا ایک ذرہ بھی حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

صرف توحید کا شیطاں بھی ہے قائل یوں تو
شرط ایماں ہے محمد ﷺ کی غلامی یہ نہ بھول
اُن سے نسبت نہ ہو تو محاسن بھی گناہ
وہ شفاعت پہ ہو مائل تو جرائم بھی قبول

ہم بے ننگ و نام کیوں؟

گاہے گاہے جبینِ خیال پہ یہ سوال بے ساختہ اُبھر آتے ہیں کہ من حیث القوم ہم بے ننگ و نام کیوں ہیں۔۔۔؟ ہماری پستی وادبار عسرت و نکبت، محکومی و غلامی کی وجہ کیا ہے۔۔۔؟ ہماری ملتِ بیضا عظمتِ رفتہ سے محروم کیوں ہے۔۔۔؟ ہماری امتِ مسلمہ قحط الرجال کا شکار کیوں ہے۔۔۔؟ ذلت و رسوائی، جبرو استبداد اور ٹھوکریں قومِ رسول ہاشمی ﷺ کا کیوں مقدر بن چکی ہیں۔۔۔؟

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخئ فرشتہ ہماری جناب میں

ان سوالوں کا جواب حکیم الامت علامہ اقبالؒ کی بصیرت اور دور رس نگاہ میں کچھ اس طرح ہے کہ

شبے پیشِ خدا بگریستم من زار۔۔۔ مسلماناں چرا زار اند وخوارند
ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم۔۔۔ دلے دارند ومحبوبے نہ دارند

’’میں ایک رات مناجات میں بارگاہِ الٰہی میں زار و قطار رودیا اور سوال کیا کہ مسلمان اتنے زار و نزار اور عاجز وخوار کیوں ہیں۔۔۔؟ جواب آیا کہ یہ قوم دل تو رکھتی ہے مگر دل بر نہیں رکھتی۔ یعنی ان لوگوں کے پاس دل تو ہے مگر اس دل میں بسنے والا کوئی محبوب نہیں‘‘۔

ہتھیلی پر ہے دل دلبر نہیں ہے
اثاثہ ہے تو غارت گر نہیں ہے

باالفاظِ دگر

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے

قُدسی مقال اقبالؒ نے اپنی اِس پر سوز آہ کو باندازِ دگر اِن حروف و معانی کا پیرہن پہنایا ہے۔

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمد ﷺ کا تمہیں پاس نہیں

پروفیسر محمد اقبال جاوید کے الفاظ میں ’’حکیم الامت کی نظر میں ملتِ بیضا کا دل ایک ایسا پھول ہے جو خوشبو سے محروم ہے۔ دل تمنائے محبوب سے زندہ ہوتے اور تابندہ رہتے ہیں۔ اگر آرزو کی یہ لطافت اور یاد کی یہ چاہت چھن جائے تو نخلِ دل کے برگ و بار مُرجھا جاتے ہیں اور زندگی ویرانیوں کا مرکز بن جاتی ہے۔ گویا دل کی بہارگُل ہائے آرزو کے مہکنے سے ہے۔ اسی لئے دل کو شہرِ آرزو کہتے ہیں۔ شہرِ آرزومحبوب کے تصور سے ہی بستا ہے اور محبوب کے تصور کے بغیر دل محض گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اور اس دل سے نکلنے والی آواز محض بے کیف الفاظ کا مجموعہ تو ہوسکتی ہے مگر اس میں اثر آفرینی کی نشتریت پیدا نہیں ہوسکتی۔ عقل سے لے کر حکمت تک، علم سے لے کر نظر تک اور خودی سے لے کر بے خودی تک جتنی منزلیں ہیں ان تک پہنچنے کے لئے علامہ اقبالؒ کے نزدیک اسوۂ حسنہ ہی واحد راستہ ہے۔ یہی وہ تعلق ہے جسے اپنا کر انسانی زندگی پہ مہرو ماہ رشک کرتے ہیں اور اس نسبت سے ہٹ کر زندگی بے آبروئی اور رسوائی کو اپنا مقدر بنالیتی ہے علامہ اقبالؒ ایک اور جگہ سخن سرا ہیں۔

اے تہی از ذوق و شوق و سوز و درد
می شناسی عصرِ ما رابہ ماچہ کرد
عصرِ ما مارا زِما بیگانہ کرد
از جمالِ مصطفیٰ ﷺ بیگانہ کرد

’’اے کہ تُو ذوق وشوق، سوزِ عشق اور دردِ محبت سے خالی ہے تو کیا جانے کہ ہمارے زمانے نے ہمارے ساتھ کیا کیا ہے؟ زمانے نے تو ہمیں اپنے آپ سے بے نیاز کرکے جمالِ مصطفیٰ ﷺ سے بھی بیگانہ کردیا ہے‘‘۔

کسی غمگسار کی محنتوں کا یہ خوب ہم نے صلہ دیا
جو ہمارے غم میں بہت گھلا اسے ہم نے دل سے بھلادیا
جو جمالِ روئے حیات تھا جو دلیلِ راہِ نجات تھا
اُسی راہرو کے نقوشِ پا کو مسافروں نے مٹادیا
جو ترا خیال تھا ہم عناں تو غبارِ راہ تھی کہکشاں
تُو بچھڑ گیا تو زمانے بھر نے ہمیں نظر سے گرادیا

ایک اور شاعر نے کہا:

تجھ سے مل کر زندگی مسجودِ مہر و مہ تھی
تجھ سے کٹ کر دربدر بے آبرو ہونے لگی

کسی نے کیا خوب لکھا ہے کہ ’’زمانے کے دردو آشوب اور مصائب و آلام کے حوالے سے ملت اسلامیہ اپنے ادیبوں اور شاعروں کے وسیلے سے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں اپنا فسانہ غم سناتی اور نگاہِ کرم کی طلب گار ہوتی رہی ہے۔ رومیؒ و جامیؒ، عرفیؒ و خاقانیؒ، سعدیؒ و سینائیؒ، قدسیؒ و بوصیریؒ، حالیؒ و مینائیؒ ایک ہی نگاہ کے تمنائی اور ایک ہی زلف کے اسیر ہیں ان کے کفِ دست تمنا پہ حضور ﷺ کی نگاہِ التفات کے چراغ اب بھی جل رہے ہیں۔۔۔ ’’چشم رحمت بکشا سوئے من انداز نظر‘‘۔۔۔ ’’اے خاصہ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے‘‘ کی صدائے دلنواز اب بھی کانوں میں رس گھول رہی ہے۔۔۔ ملتِ بیضا کے آشفتہ لبوں پہ استغاثے کا رنگ اب بھی نمایاں ہے۔۔۔ کربلائے عصر کی تشنہ لبی ساقی کوثر کے درِ اقدس کی اب بھی تمنائی ہے یہی وجہ ہے کہ حکیم الامت علامہ اقبالؒ ہمارے قومی انحطاط اور دینی زوال کا سبب جمالِ مصطفیٰ ﷺ سے بیگانگی قرار دیتے ہیں اور قوم کے اس مرضِ کہن کا چارہ بھی بالآخر مولائے کائنات ﷺ کی نگاہ چارہ ساز ہی میں ڈھونڈتے ہیں وہ ملت کے زخمِ بیکسی کا مرہم اور دردِ عاجزی کا دارو اُن کی نظرِ کرم ہی میں تلاش کرتے ہیں‘‘۔

مسلماں آں فقیرے کج کلا ہے۔۔۔ رمیدا ز سینہ او سوز آ ہے
دلش نالد! چرا نالد؟ نداند۔۔۔ نگاہے یارسول اللہ۔۔۔ نگاہے

مسلماں وہ فقیرِ کج کلاہ ہے جس کے سینے سے آپ ﷺ کی محبت کا سوز رخصت ہوگیا ہے۔ اسی لئے اس کا دل محوِ گریہ ہے، وہ کیوں گریہ کناں ہے، وہ یہ نہیں جانتا۔۔۔ یارسول اللہ ﷺ! اس کے حالِ زار پہ نگاہ کرم فرمائیے، اس پہ نظرعنایت کیجئے۔

پھر کوئی صدیقِ اکبرؓ دورِ حاضر سے اٹھا
پھر کوئی فاروقِ اعظمؓ کو بنا مہرِ مبیں
کوئی عثمانِ غنیؓ جودو سخا میں بے مثال
کوئی حیدرؓ فقر و درویشی کی صبحِ اولیں
یارسول اللہ! ہماری عاجزی کی لاج رکھ
ہم گنہگاروں پہ اپنی رحمت کا تاج رکھ

(شورش کاشمیری)

مادیت کے اِس پُرفتن دور میں دیں کا اثاثہ ہم سے لُٹتا اور عشقِ رسول ﷺ کی میراث ہم سے چھنتی جارہی ہے لیکن خاکسترِ دل میں شعلہ عشقِ رسول ﷺ کی چنگاری دبی ہے ابھی بجھی نہیں۔۔۔ نامِ مصطفیٰ ﷺ ہماری رگِ جان پہ رقم ہے۔ کوششِ اغیار کے باوجود زمانے کے ہاتھوں چھپا ہے ابھی تک مٹا نہیں۔۔۔ عشقِ نبی ﷺ کی آبرو۔۔۔ عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ کے دم سے قائم ہے۔۔۔ آقائے دو جہاں ﷺ کے دین کی فکر کرنے، اسلام کے احیاء اور تجدید دین کے لئے کاوشیں کرنے والوں اور عزت

و ناموس مصطفیٰ ﷺ کی حقیقی معنوں میں حفاظت کرنے والوں سے ابھی دنیائے رنگ و بو خالی نہیں ہوئی۔۔۔ دورِ حاضر میں عشق مصطفیٰ ﷺ کے نغموں سے مردہ قلوب و ارواح کو حقیقی زندگی سے روشناس کرانے والوں کی صدائیں امت میں عشقِ رسول ﷺ کے دیئے کی ٹمٹماتی ہوئی لَو میں چراغاں کا باعث ہیں۔ جس کی روشنی میں عشاق کا قافلہ سخت جاں فکرِ سود و زیاں سے بے نیاز سرگرمِ سفر رہتا ہے۔

ہستیٔ مسلم کا ساماں ہے فقط عشقِ رسول ﷺ
ہاں یہی ہے ہستی مسلم کا ساماں آج بھی

وہ فاقہ کش مسلمان جو صدیوں پہ محیط عہدِ ناروا کے صدمات جھیلتا چلا آرہا ہے۔۔۔ محرومیوں، ناکامیوں اور نامرادیوں کی دستاویز جس کے دونوں ہاتھوں میں تھمادی گئی ہے۔۔۔ جسکا جسم ہی نہیں روح بھی زخموں سے چور چور ہے۔۔۔ بے توقیری کی فصلیں کاٹنا جس کی جواں نسلوں کا مقدر بنادیا گیا ہے۔۔۔ عظمت و تمکنت اور وقار جیسے الفاظ جس کی لغتِ عمل سے حذف کردیئے گئے ہیں۔۔۔ جو آئینہ خانہ میں خود اپنے آپ کو شناخت کرنے سے قاصر ہے۔۔۔ عظمت رفتہ کی بازیابی کی آرزو بھی جس کے سینے میں دم توڑ چکی ہے۔۔۔ جو سوکھے ہوئے پتوں کی طرح تیز و تُند ہواؤں کے رحم و کرم پر ہے۔۔۔ وہ مسلماں جس کی سوچوں کے تمام کواڑ مقفل کردیئے گئے ہیں۔۔۔ بے عملی و بے حمیتی کا زہر جس کی رگ رگ میں سرایت کرچکا ہے۔۔۔ جو اپنی عظیم روایات سے رشتہ توڑ کر گمرہی کے گہرے اندھیروں میں گُم ہوتا جارہا ہے۔۔۔ وہ مسلماں جس کے سارے ثقافتی اثاثے لُٹ چکے ہیں۔۔۔ اور جو سر اٹھا کر چلنے کی خُوئے دلنواز کو جمودِ مسلسل کے برف زاروں میں دفن کرچکا ہے۔۔۔ وہ مسلماں اپنی تمام تر محرومیوں کوتاہیوں اور خامیوں کے باوجود ایک جذبے کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہے اور ابلیسی سازشوں کے اژدہام میں اُس نے جس چنگاری کو بجھنے نہیں دیا وہ عشقِ رسول ﷺ کی چنگاری ہے۔ جو ازل سے اس کے سینے میں سُلگ رہی ہے۔ اقبالؒ اسے روحِ محمد ﷺ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ دشمنانِ اسلام اپنی تمام تر علمی خیانتوں تحقیقی لغزشوں اور فکری مغالطّوں کے باوجود اس فاقہ کش مسلماں کے جسم سے روحِ محمد ﷺ نکالنے میں ناکام رہے ہیں۔

دوری کا یہ عالم کہ ورائے حدِ ادراک
قُربت کی یہ حالت کہ قریبِ رگِ جاں آپ

بلاشبہ حضور ﷺ کی محبت ہمارے دلوں میں سانس بن کر دھڑک رہی ہے اور رگوں میں خون بن کر دوڑ رہی ہے۔ بلکہ اقبالؒ کے الفاظ میں:

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ ﷺ است
آبروئے ماز نامِ مصطفیٰ ﷺ است

حضور ﷺ سے والہانہ محبت اور ثنائے رسول اسی روحِ محمد ﷺ کے جمالیاتی اظہار اور شعری پیکر کا نام ہے۔ آخرِ شب تصورِ محبوبِ کبریا ﷺ میں آنکھیں جن موتیوں سے لبریز ہوجاتی ہیں، دامنِ آرزو جن آنسوؤں سے بھیگ جاتا ہے اور پلکوں پہ ستاروں کے جھرمٹ سے اتر آتے ہیں وہی موتی وہی آنسو اور وہی ستارے اس منظر کی عکس بندی کی داستاں ہیں۔ یہ وہ کہانی ہے جو ذاتِ مصطفیٰ ﷺ سے شروع ہوکر ذاتِ مصطفیٰ ﷺ پہ ختم ہوتی ہے۔

منزلیں گم ہوئیں راستے کھوگئے زندگی ریت کی جیسے دیوار ہے
خود ہی روحِ محمد ﷺ تو کر فیصلہ آج کتنی مدد تیری درکار ہے

بعینہ قدسی مقال اقبالؒ اپنی ملت کا درد والم بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عقیدت کے آنسوؤں کے ساتھ اجمالاً اِن الفاظ میں پیش کرتا ہے۔ اے روحِ محمد ﷺ!

شیرازہ ہوا ملتِ مرحوم کا ابتر
اب تُو ہی بتا تیرا مسلماں کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے روحِ محمد
آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

❁❁❁❁❁

انتخابات 2013ء

دھن، دھونس اور دھاندلی کا ''عظیم شاہکار''

ڈاکٹر رحیق احمد عباسی۔ صدر پاکستان عوامی تحریک

''سیاست نہیں ریاست بچاؤ''۔ محترم قارئین! یہ وہ سلوگن ہے جو شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی قیادت میں ملک پاکستان میں رائج فرسودہ و کرپٹ سیاسی نظام کے خلاف اور حقیقی جمہوریت کی بحالی کے لئے پاکستان عوامی تحریک نے بلند کیا۔ شیخ الاسلام اور پاکستان عوامی تحریک نے اس نظام کے خلاف علمِ بغاوت کیوں بلند کیا۔۔۔؟ دیگر سیاسی جماعتیں انتخابات میں حصہ لینے جارہی تھیں مگر PAT نے اس کرپٹ نظام کا حصہ بننے سے انکار کیوں کیا۔۔۔؟ لانگ مارچ اور پولنگ ڈے پر ملک بھر میں دھرنوں کا کیا جواز تھا۔۔۔؟ الیکشن کمیشن کی غیر آئینی تشکیل پر شیخ الاسلام نے اعتراض کیوں کیا۔۔۔؟ مک مکا پر مبنی الیکشن کمیشن اور نگران حکومتوں نے کیا گل کھلائے۔۔۔؟ نام نہاد سکروٹنی کی حقیقت کیا ہے۔۔۔؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جواب انتخابات کے نتائج کے بعد پوری قوم جان چکی اور شیخ الاسلام کے موقف کی سچائی اظہر من الشّمس ہوچکی ہے۔ آیئے! شیخ الاسلام کی جدوجہد، حالیہ انتخابات کے پس منظر، انتخابات کے نتائج اور ملک کی آئندہ صورتحال پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

شیخ الاسلام کے مطالبات

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے 23 دسمبر 2012ء مینار پاکستان پر لاکھوں لوگوں کے سامنے استحکام پاکستان کے لئے اپنا ایجنڈا دیتے ہوئے فرمایا:

''میں جو ایجنڈا، تجویز اور منصوبہ دے رہا ہوں وہ آئین پاکستان کے مطابق ہے اور پاکستان کے آئین کی ایک شق بھی اس سے الگ نہیں۔ ہمیں یہ جاننا ہوگا کہ آئین پاکستان کس طرح کے انتخابات چاہتا ہے؟ میں پاکستان کے آئین کا پابند ہوں۔ نظام انتخاب کو اس آئین کے تابع کریں گے اور آئین کو حکمران بنائیں گے۔ میری غرض صرف اور صرف آئین پاکستان سے ہے کہ الیکشن جب بھی ہوں اس آئین کے مطابق ہوں۔ آئین کی ساری شرائط پر عمل ہو، آئین پاکستان کے مطابق نمائندے منتخب کیے جائیں، آئین پاکستان کے مطابق انتخابی نظام کا ماحول دیا جائے اور آئین پاکستان کے مطابق دیانتدرانہ، genuine elections کی ضمانت مہیا کی جائے۔ اگلے انتخابات اگر نظام انتخاب کو بدلے بغیر اور electoral reforms کے بغیر کرا دیئے گئے تو وہ انتخابات آئین کے خلاف ہوں گے۔ اگر وہی خائن، جعلی ڈگریوں والے اور آئین کو پامال کرنے والے لوگ پھر الیکشن میں حصہ لینے کے اہل قرار دیئے گئے تو یہ قوم کے ساتھ ایک مذاق ہوگا۔ ہم ڈرائنگ رومز کے اندر دو پارٹیوں کا آپس کا مک مکا قبول نہیں کریں گے''۔

23 دسمبر کے خطاب میں شیخ الاسلام نے اپنے ایجنڈے کی واضحیت کے بعد 13 جنوری تا 17 جنوری 2013ء لانگ مارچ کے دوران قوم و ملک کی رہنمائی کے لئے انتخابی اصلاحات کا درج ذیل آئینی پیکج دیا:

1۔ انتخابات کے انعقاد کے لیے 90 دن کا وقت ہوتا کہ نگران حکومتوں اور الیکشن کمیشن کے لیے انتخابی اصلاحات کے نفاذ یا امیدواروں کی اہلیت کی جانچ پڑتال کے لیے مناسب وقت میسر آئے۔

2۔ کاغذات کی جانچ پڑتال اور آئین کے آرٹیکل 62 اور 63 کے تحت امیدواروں کی اہلیت کا جائزہ لینے کے لیے سات دن کی بجائے ایک ماہ کا وقت دیا جائے تاکہ الیکشن کمیشن امیدواروں کی اہلیت کا تعین کر سکے۔

3۔ انتخابات سے پہلے آئین کے آرٹیکل 62، 63 اور 218 (3) پر عمل درآمد پر خصوصی توجہ دی جائے۔

4۔ عوامی نمائندگی ایکٹ 1976ء کے آرٹیکل 77 تا 82 اور سپریم کورٹ کے انتخابی اصلاحات سے متعلق 8 جون 2012ء کو صادر ہونے والے فیصلے پر من وعن عمل درآمد کروایا جائے (یہ آرٹیکلز انتخابات کی آزادانہ، منصفانہ، شفاف اور ایمان دارانہ بنیادوں پر انعقاد اور ہر قسم کے بدعنوانی کے معمولات کے تدارک سے متعلق ہیں)۔

5۔ الیکشن کمیشن کی تشکیل نو کی جائے کیونکہ موجودہ الیکشن کمیشن کے ممبران کا تقرر آئین کے آرٹیکل 213 اور 218 کے مطابق نہیں ہوا۔

اسلام آباد لانگ مارچ ڈیکلریشن میں سابقہ حکومت نے ان تمام مطالبات کو تسلیم کیا، اس پر عملدرآمد کا یقین دلایا مگر الیکشن کمیشن کی تشکیل نو کے لئے راضی نہ ہوئے۔ شیخ الاسلام نے الیکشن کمیشن کی غیر آئینی تشکیل کے نقصانات اور آئندہ انتخابات میں ان کے کردار کو جنوری 2013ء میں ہی قوم کے سامنے واضح کر دیا تھا کہ یہ الیکشن کمیشن غیر آئینی طور پر تشکیل پایا ہے۔ چاروں صوبوں سے 15 ناموں میں سے باقاعدہ سماعت کے بعد 5 افراد کا تقرر کرنا تھا مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ لہذا یہ کمیشن دو سیاسی جماعتوں کے آپس کے مک مکا کا نتیجہ ہے، اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ انتخابات کے لئے آئین و قانون میں موجود جملہ آرٹیکلز کا نفاذ الیکشن کمیشن نے ہی کرنا ہوتا ہے اور وہ ادارہ جو خود غیر آئینی و غیر قانونی طریقہ سے سیاسی جماعتوں کا احسان مند ہوکر معرض وجود میں آیا ہو وہ کس طرح قانون و آئین کی بالادستی کو یقینی بنا سکتا ہے بلکہ وہ تو فطرتی طور پر اپنے ''محسنوں'' کو ہر قدم پر ''رعایت اور مدد'' فراہم کرے گا۔

الیکشن سے قبل الیکشن کمیشن کا مکروہ کردار

محترم قارئین! شیخ الاسلام نے جس الیکشن کمیشن کی غیر آئینی تشکیل کے خلاف آواز بلند کی پوری قوم نے الیکشن سے پہلے سے لے کر انتخابات کے نتائج تک ہر قدم پر ان کے مکروہ کردار کو دیکھ لیا۔ ذیل میں اس کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا جارہا ہے:

☆ تقریباً 27 ہزار کاغذات نامزدگی کی جانچ پڑتال کی گئی لیکن ٹیکس چوری، قرض ڈیفالٹ، اثاثوں کے غلط اعلان یا جھوٹ کا کوئی ایک واقعہ بھی پکڑا گیا نہ منظر عام پر آیا۔ یہ خود بخود نہیں ہوا بلکہ واضح طور پر اس کی منصوبہ بندی کی گئی۔ الیکشن کمیشن آف پاکستان کی غیر آئینی تشکیل کا مقصد ہی یہ تھا کہ اہم جماعتوں کے سیاسی طور پر تقرر کردہ یہ افراد اپنے سرپرستوں کے مفادات کا تحفظ کرسکیں۔ ضعیف العمر چیف الیکشن کمشنر، غیر آئینی الیکشن کمیشن اور ''مک مکا'' نگراں حکومت کے پاس وہ اختیارات یا حوصلہ ہی نہیں تھا کہ وہ اسٹیک ہولڈرز کو چیلنج کر سکے۔

☆ اسٹیٹ بینک آف پاکستان، ایف بی آر کے غیر فعال کردار نے اسکروٹنی کے پورے عمل کی ساکھ تباہ کردی۔ کسی امیدوار کو بینک یا کسی یوٹیلٹی کمپنی کا ڈیفالٹر قرار نہیں دیا گیا۔

☆ الیکشن کمیشن کو امیدواروں کی مناسب جانچ پڑتال کے لئے ایک ماہ کا وقت دینے کی تجویز کو مسترد کرنے کی حکمت عملی سے بالآخر مقصد حاصل ہوگیا۔ لنگڑی لولی سکروٹنی کی گئی جو کہ ٹیکس چوری اور اثاثے چھپانے کی بنیاد پر کسی

بڑے سیاستدان کو نکال باہر کرنے میں ناکام رہی۔ ریٹرنگ افسران نے ٹیکس چوروں سے ٹیکس چوری اور قرضہ خوروں سے قرضہ واپس نہ کرنے کے متعلق سوالات ہی نہ کئے اور نہ ہی ان کے اربوں روپے کے اثاثہ جات پر کوئی سوال اٹھایا۔

☆ عدلیہ کا کردار بھی غیر جانبدار نہ تھا۔قرض نادہندگی کے بڑے کیسز جو سالوں سے اعلیٰ عدلیہ کے پاس زیرالتوا تھے ان کی سماعت نہ کی گئی اور نہ ہی ایسے کیسز کو جلد نمٹانے کے حوالے سے کوئی حکم جاری کیا گیا۔

☆ سوال یہ ہے کہ سٹیٹ بینک کی تیار کردہ ڈیفالٹرز لسٹیں کدھر گئیں جو بکسوں میں بھر کر کمیشن میں پہنچائی گئی تھیں۔۔۔؟ نیب کا تیار کردہ چوروں کا ڈیٹا کدھر گیا۔۔۔؟ FBR نے ٹیکس چوروں کی لسٹ تیار کی تھی وہ کہاں گئی۔۔۔؟ گذشتہ 3 سال کی Tax ریٹرن جمع نہ کروانے والا الیکشن نہ لڑ سکے گا یہ بات کہاں گئی۔جعلی ڈگریوں والے اسمبلیوں میں نہیں جائیں گے یہ دعویٰ کہاں گیا۔۔۔؟ سب باتیں مٹی میں مل گئیں۔

☆ لوگ اربوں کھربوں کھا کر ہڑپ کر گئے، ان کی اہلیت کو آئین کی شق 62 اور 63 کے مطابق جانچنے کے بجائے کلمے، دعائیں سنی گئیں،، شادیوں کی تعداد اور بے مقصد سوالات پوچھے گئے اور اسی طرح شق 62 اور 63 کے غلط اطلاق سے آئین کا مذاق اڑایا گیا۔

☆ نگران حکومت کا انتظامیہ کے معاملے میں صوبوں میں بیوروکریسی میں اکھاڑ پچھاڑ کا ڈرامہ بھی ہوا تا کہ انتظامیہ کو غیر جانبدار کیا جاسکے لیکن اہم ترین عہدوں پر سابقہ حکومتوں کے ہی من پسند افراد براجمان رہے۔

☆ صاف شفاف انتخابات کی ایک پرامن ماحول میں انتہائی باکردار اور غیر متنازع شخصیات کی زیرنگرانی منعقد ہونے کی توقعات انتخابات سے قبل تحلیل ہوچکی تھیں۔ متنازع الیکشن کمیشن ہر روز بوکھلاہٹ میں دکھائی دیتا تھا۔کبھی حد بندیاں،کبھی حلقہ بندیاں،کبھی جعلی ڈگریوں پر کاروائی اور پھر پسپائی،کبھی سیاستدانوں کے خلاف نادہندہ ہونے کا الزام لگا کر خود ہی معافیاں مانگنا۔۔ پہلے بیلٹ پیپر پر خالی خانہ کی تجویز دی اور پھر سیاسی رہنماؤں کے دباؤ میں آکر اس کا اطلاق بھی نہ کیا کیونکہ سیاسی رہنماؤں نے اسے اس کرپٹ نظام کے خلاف ریفرنڈم سمجھتے ہوئے اسے جمہوری اقدار کی ہی خلاف ورزی قرار دیا تھا۔پس الیکشن کمیشن سکروٹنی کے عمل کے دوران سیاسی دباؤ برداشت نہ کر پایا۔

الغرض شیخ الاسلام کی طرف سے آئین کی حقیقی معنوں میں پاسداری کے قیام کے لئے اور حقیقی جمہوریت کے قیام لئے جو مطالبات پیش کئے گئے الیکشن کمیشن نے ان پر عملدرآمد نہ کیا اور نہ ہی سپریم کورٹ نے الیکشن کو شفاف بنانے اور حقیقی جمہوریت کے نفاذ کے لئے آئین پر عملدرآمد کے لئے کوئی ٹھوس فیصلہ صادر کیا۔حکومت و اپوزیشن دونوں نے محض اپنے سطحی مفادات اور آئندہ آنے والے دنوں میں ایوان اقتدار پر اپنی ہی وراثت و ملکیت کا سکہ جمانے کے لئے ان مطالبات کو مسترد کرنے کے لئے ہر منفی ہتھکنڈہ استعمال کیا۔

انتخابات سے قبل شیخ الاسلام کے مطالبات کی عوام الناس میں مقبولیت اور اثر پذیری کو دیکھتے ہوئے وقتی طور پر جعلی ڈگری،قرض خور،ٹیکس چور کا راستہ روکنے اور 30 دن پر مبنی سکروٹنی کے اطلاق پر الیکشن کمیشن نے زبردست بیان بازی کی، جسے عوام میں بھرپور پذیرائی ملی مگر آخری دنوں میں ان تمام کو انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت دے دی اور کسی ایک بھی شخص کو آئین کے آرٹیکل 63,62 کے مطابق نااہل قرار نہ دیا گیا۔ان کی بیان بازی کا مقصد محض شیخ الاسلام اور پاکستان عوامی تحریک کے مطالبات کی اثر پذیری اور مقبولیت کو عوام الناس میں ختم کرنا تھا کہ ہم تو ’’آزاد‘‘ ہیں ہم نے پہلے ہی سے ان اقدامات کے اطلاق کا فیصلہ کرلیا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مختلف حیلے بہانوں سے ان مطالبات کے حقیقی اطلاق سے پیچھے ہٹتے چلے گئے یہاں تک کہ الیکشن سر پر آپہنچے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ الیکشن کمیشن سیاسی جماعتوں کے مفادات کا محافظ اور ان جماعتوں کے ہی نمائندوں پر مشتمل تھا جو ہرصورت آئین وقوانین کے کماحقہ اطلاق کو روکنے کی قسم کھائے بیٹھا تھا۔

انتخابات کے نتائج

انتخابات سے قبل کی صورت حال کے پس منظر اور انتخابات کے دوران ہونے والی تاریخی دھاندلی کے پیش نظر پاکستان کا کوئی بھی ذی شعور شہری ان انتخابات کے نتائج کو تسلیم نہیں کرسکتا۔ دھاکوں، جھگڑوں اور سرِ عام دھاندلیوں کے شرمناک اور افسوسناک مناظر کے درمیان منعقد ہونے والے انتخابات مشکوک ہی نہیں بلکہ ان انتخابات کی Creditability ہی ختم ہوچکی ہے۔ پورے ملک میں دھماکے، جھگڑے اور دھاندلیاں عام رہیں۔ بعض نام نہاد دانشور اور سیاسی جماعتوں کے کرائے پر حاصل کئے گئے تجزیہ نگار اور طفیلئے موجودہ انتخابات کے نتائج ہی کو تبدیلی سے تعبیر کررہے ہیں۔ ان کرائے کے مسخروں کے نزدیک اگر یہ تبدیلی ہے، تو یہ ''تبدیلی'' پھر ان ہی کو مبارک ہو۔ کیا موجودہ انتخابات میں کسی ایک پارٹی نے بڑے پیمانے پر مقبولیت حاصل کرلی ہے جو پاکستان کی خارجہ پالیسی کا رُخ درست کرسکے۔۔۔؟ ملک کو دہشت گردی کے عفریت سے نجات دلا سکے۔۔۔؟ روٹی، کپڑا، مکان، روزگار، صحت، تعلیم سے پاکستانیوں کو بہرہ مند کرسکے۔۔۔؟ یا پاکستان کو حکومت سازی، فیصلہ سازی اور پالیسی سازی میں آزاد کرسکے؟ دراصل ایسا کچھ نہیں ہوا اور اس سسٹم میں رہتے ہوئے نہ ہوگا۔ انتخابات کے نتیجے میں اُبھر کر آنے والی تین بڑی جماعتوں کے پروگراموں، پالیسیوں اور حکمت عملی میں ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہے جس سے حکمران طبقوں کے مفادات کو ٹھیس پہنچے یا طاقتور اداروں کے اختیارات میں کوئی کمی آئے۔

انتخابات کے نام پر جو کچھ پنجاب میں ہوا کیا وہ کسی سے پوشیدہ ہے۔۔۔ جو سندھ اور کراچی میں ہوا کیا اس کو تبدیلی کہیں گے۔۔۔؟ سوال یہ ہے کہ اگر ہر جماعت کو یہ شکوہ ہے کہ صاف اور آزادانہ انتخابات نہیں ہوئے تو پھر گڑبڑ کہاں سے ہوئی۔۔۔؟ کس نے کی۔۔۔؟ دراصل ان آزادانہ انتخابات کے معنی یہ تھے کہ جس کے بازو میں جتنا دم ہو وہ اتنی نشستیں لے لے۔

کوئی بھی ایک جماعت ایسی نہیں جو دھاندلی کے الزامات نہ لگارہی ہو۔ 1977ء کے بعد ہونے والے انتخابات میں سے حالیہ انتخابات میں دھاندلی کے تمام ریکارڈ ٹوٹ گئے۔ پنجاب میں پیپلز پارٹی اور تحریک انصاف دھاندلی کے ثبوتوں کے ساتھ چیخ و پکار کررہی ہیں اور ووٹوں کی دوبارہ گنتی اور دوبارہ انتخابات تک کے مطالبات کئے گئے اور ان مطالبات کو منوانے کے لئے دھرنے بھی دیئے گئے۔ سندھ میں تحریک انصاف اور مسلم لیگ (ن) شور مچارہی ہیں۔۔۔ خیبر پختونخواہ میں مذہبی جماعتیں نتائج کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔۔۔ جبکہ بلوچستان میں علاقائی جماعتیں انتخابات کے نتائج کو اپنے مینڈیٹ پر ڈاکہ قرار دے رہی ہیں۔ گویا ہر طرف چیخ و پکار کا عالم ہے۔

؎ آ عندلیب مل بیٹھ کر کریں آہ و زاریاں　　　میں پکاروں ہائے دل تو پکارے ہائے گل

ان انتخابات کے نتیجہ میں یاد رکھ لیں! دودھ کے دریا ہرگز نہیں بہیں گے بلکہ کشت و خون کا ایک بازار گرم رہے گا۔ حسب سابق سیاسی جماعتیں ایک دوسرے پر الزامات لگانے اور اراکین اسمبلی اپنے ذاتی مفادات کے حصول کے لئے مشترکہ جدوجہد کرتے نظر آئیں گے۔ اس فرسودہ سیاسی نظام کی ستم ظریفیوں کی بناء پر بالآخر مملکت پاکستان عدم استحکام کا شکار ہوگی، معاشرتی و معاشی انحطاط جاری رہے گا۔ اس لئے کہ کوئی ایک بھی جماعت قومی جماعت کی حیثیت سے سامنے نہیں آئی جسے چاروں صوبوں کی نمائندہ جماعت کا ٹائیٹل دیا جاسکے جبکہ حالات اس بات کے متقاضی تھے کہ پورے پاکستان کی عوام کے اعتماد کی حامل جماعت برسر اقتدار آئے جو اس گھمبیر صورتحال سے ملک و قوم کو نجات دلائے مگر اس نظام کے اندر رہتے ہوئے اسی طرح کے انتخابات ممکن ہوسکتے ہیں جس کے نتائج پوری قوم کے سامنے ہیں۔

اس مرتبہ بھی حسب سابق ملک میں کوئی اپوزیشن نہیں ہوگی بلکہ ہر جماعت مرکز اور چاروں صوبوں میں سے کسی نہ کسی جگہ برسر اقتدار ہوگی۔ یہی وہ سازش تھی جس کی طرف شیخ الاسلام نے 23 دسمبر اور اس کے بعد متعدد مرتبہ توجہ

دلوائی کہ اس نظام کے ذریعے انتخابات میں مرکز سے لے کر صوبوں تک ہر کوئی ’’مک مکا‘‘ کر کے آئے گا۔۔۔ حکومت بھی ’’مک مکا‘‘ کا نتیجہ ہوگی۔۔۔ نام نہاد اپوزیشن بھی مک مکا کے نتیجے میں ایک طرف اپوزیشن اور دوسری طرف حکومت کا حصہ ہوگی اور کسی جگہ پر بھی حقیقی اپوزیشن دیکھنے کو نہ ملے گی۔

ان انتخابات کے نتائج کی صورت میں مسلم لیگ (ن) کو بالآخر NRO کا پھل 14 سال بعد وفاق و پنجاب میں اکثریت کی صورت میں ملا۔۔۔ پیپلز پارٹی کا سندھ پر غلبہ۔۔۔ MQM کی کراچی پر گرفت۔۔ تحریک انصاف کو پنجاب کے پہلوان کی ’’طاقت‘‘، ’’اثر و رسوخ‘‘ اور ’’تجربہ‘‘ کی وجہ سے پنجاب کے بجائے خیبر پختونخواہ دیا گیا۔۔۔ بلوچستان علاقائی، لسانی اور مذہبی قوتوں کے درمیان لٹکا دیا گیا۔ الغرض کوئی پارٹی ملک گیر پارٹی نہیں رہی۔

دھن، دھونس، دھاندلی کے کمالات

ان انتخابات میں کلیتاً ہر سطح پر جھوٹ اور جعل سازی کا رواج عام رہا۔ جھوٹی سکروٹنی، جعلی ڈگریاں، جھوٹے گوشوارے، جھوٹے اثاثہ جات۔۔۔ سوال پھر قوم سے کہ کیا اس جھوٹ پر تشکیل پانے والی پارلیمنٹ کے اراکین کبھی قوم سے سچ بول سکیں گے۔۔۔؟ کیا ان کے اندر اخلاقی و سیاسی جرأت ہوگی۔۔۔؟

قوم سے جھوٹ کا آغاز انتخابی اخراجات کے گوشواروں کے داخل کرانے سے ہو چکا۔ ہر قومی اسمبلی کا ممبر یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ اس نے الیکشن کمیشن کی طرف سے مقرر کردہ اخراجات 15 لاکھ ہی کئے جبکہ صوبائی اسمبلی کا ممبر بھی 10 لاکھ اخراجات ہی کا دعویٰ کر رہا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ پوری قوم نے انتخابی اخراجات کی مد میں جو اخراجات دیکھے ان کے سامنے تو 10 ، 15 لاکھ روپے کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اخراجات کی Limit پر کسی نے عمل نہیں کیا بلکہ ہر کوئی جھوٹے بیانات جمع کروا رہا ہے جبکہ اس مد میں اربوں روپے کے اخراجات کئے گئے۔ اگر صرف اخبارات اور TV چینلز پر چلنے والے اشتہارات اور انتخابی مہم کا خرچ ہی دیکھ لیا جائے تو یہ 20 ارب روپے سے تجاوز کر جاتا ہے۔

یہ اخراجات کہاں سے ہوئے۔۔۔؟ کیا سیاسی جماعتوں کے پاس اتنی رقم موجود تھی۔۔۔؟ موجود تھی تو کیا اسے پارٹی گوشواروں میں انتخابات سے قبل ظاہر کیا گیا۔۔۔؟ اگر گوشواروں میں رقم موجود نہ تھی تو کہاں سے آئی۔۔۔؟ اگر امیدوار نے یہ رقم دی تو کیا اس نے اپنے گوشوارے میں اس کو ظاہر کیا تھا۔۔۔؟ اگر امیدوار نے یہ رقم خرچ کی ہے تو کیا اب اسے انتخابی اخراجات کے گوشواروں میں شامل کر رہے ہیں۔۔۔؟

ان تمام سوالات کے صحیح جوابات اس کرپٹ، ظالمانہ مہنگے ترین نظام انتخابات اور اس میں حصہ لینے والے سرمایہ دار و جاگیردار اور ملک و قوم پر 65 سالوں سے مسلط طبقات کا اصل چہرہ ہیں۔ ذیل میں قارئین کی دلچسپی کے لئے الیکشن کمیشن میں انتخابات سے قبل جمع کروائے گئے سیاسی جماعتوں کے گوشواروں کی ایک جھلک پیش کی جارہی ہے:

ا۔ پاکستان پیپلز پارٹی	4 لاکھ 35 ہزار 397 روپے	۲۔ پاکستان مسلم لیگ (ن)	7 کروڑ 70 لاکھ روپے
۳۔ پاکستان تحریک انصاف	94 لاکھ 60 ہزار روپے	۴۔ جمعیت علمائے اسلام	2 کروڑ 70 لاکھ روپے
۵۔ جماعت اسلامی	18 لاکھ 50 ہزار روپے	۶۔ متحدہ قومی موومنٹ	1 کروڑ 90 لاکھ روپے

کیا ان جماعتوں کی طرف سے کئے گئے جملہ انتخابی اخراجات ان جماعتوں کے ظاہر کئے گئے اثاثہ جات کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں؟ بالفرض ان جماعتوں کو عطیات کی مد میں بڑی رقوم موصول ہوئیں تو کیا ان پر ٹیکس ادا کیا گیا؟ یہ وہ سوالات ہیں جو الیکشن کمیشن، سپریم کورٹ، نگران حکومت اور برسر اقتدار آنے والی جماعتوں کے باہمی ’’مک مکا‘‘ کو ظاہر کر رہے ہیں۔

''تبدیلی'' کے خواہشمند اور مذہبی جماعتوں کا منطقی انجام

اس ظالمانہ نظام انتخاب میں تبدیلی کی خواہش لے کر حصہ لینے والوں نے نتائج دیکھ لئے۔ ان کی انتھک کاوشیں اور اربوں روپے کے اخراجات بھی اس ظالم انتخابی نظام کی نذر ہوگئے اور یہ نظام ان کی منزل کے راستے میں رکاوٹ بن گیا۔ شیخ الاسلام نے انہیں لانگ مارچ میں شرکت کی خصوصی دعوت دی کہ آئیں تاکہ حقیقی تبدیلی کا خواب شرمندہ تعبیر ہوسکے مگر اپنے بڑے بڑے اجتماعات، مال و دولت کی کثرت اور روایتی سیاسی جماعتوں سے سرمایہ دار و جاگیرداروں کے ساتھ شامل ہونے کے زعم میں مبتلا ''تبدیلی'' کی خواہشمند قیادت خود بھی مایوس ہوئی اور اپنے ساتھ شامل افراد اور قوم کو بھی مایوسی سے دوچار کیا۔ اب دھاندلی کا شور مچانے سے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا کیونکہ چڑیاں کھیت کو چُگ چکی ہیں۔ یہ نظام روایتی سیاستدانوں، جاگیرداروں و سرمایہ داروں کے علاوہ کسی اور کو آگے لانے کا ہرگز کوئی موقع اس لئے فراہم نہ کرے گا۔ حقیقی تبدیلی کے خواہش مند کو اس نظام کی تبدیلی کے لئے جدوجہد کرنا ہوگی جو پاکستان کا حقیقی دشمن ہے اور تبدیلی کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

اس نظام انتخابات نے جہاں تبدیلی کا نعرہ لگانے والوں کو مایوس کیا وہاں روایتی مذہبی جماعتوں کو بھی رسوائی و شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ تحریک منہاج القرآن کے لانگ مارچ کے دوران جو مذہبی جماعتیں آئین کی پاسداری پر مشتمل شیخ الاسلام کی جدوجہد کے خلاف رائے ونڈ میں اکٹھی ہوئیں، ان انتخابات کے نتائج نے اُن کو بھی آئینہ دکھادیا اور ان کا کوئی بھی مرکزی قائد پارلیمنٹ پہنچنے سے محروم رہا۔ پورے ملک سے صرف چند ہزار ووٹ ان کی 65 سال سے زائد کی محنت کے ''ثمر'' کے طور پر سامنے آیا۔۔۔ صرف خیبر پختونخواہ سے قومی کی 3 اور صوبائی کی 7 نشستوں پر کامیاب رہے۔ کراچی میں انہوں نے دھاندلی کا شور مچاتے ہوئے انتخابات کا بائیکاٹ کردیا۔ لاہور سے محترم حافظ سلمان بٹ صرف 952 ووٹ لے سکے۔۔۔ محترم فرید پراچہ کے حصے صرف 2 ہزار 994 ووٹ آئے۔۔۔ جبکہ محترم لیاقت بلوچ 3 ہزار 226 ووٹ لے کر مرکزی قائدین میں ''سرفہرست'' رہے۔۔۔ یہی صورتحال جمعیت علمائے اسلام کی رہی۔ صرف خیبر پختونخواہ سے 10 نشستیں ''اسلام'' اور ''کتاب'' کے نام پر حاصل کیں بقیہ پورے ملک میں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی ان کے بیلٹ بکس سے کچھ بھی برآمد نہ ہوا۔۔۔ ملک کے نامور سائنسدان جو شیخ الاسلام کی بحالیٔ آئین کی جدوجہد پر بڑا معترض تھے وہ بھی اپنی ''سائنسی خدمات'' کا قوم کو واسطہ دیتے رہے مگر ان کے تمام امیدوار ملک بھر سے اپنی ضمانتیں ہی ضبط کروابیٹھے۔

دھاندلی کے شرمناک مناظر

کیا آپ نے کبھی سنا کہ دنیا کے کسی ملک میں ابھی پولنگ جاری ہو اور انتخابات کے نتائج بھی سامنے آنا شروع ہوجائیں۔۔۔؟ ابھی ووٹوں کی گنتی جاری ہو اور کسی سیاسی جماعت کا سربراہ ملک بھر سے کامیابی کا اعلان کرتے ہوئے حکومت بنانے کے لئے بقیہ جماعتوں کو دعوت بھی دے دے اور عالمی رہنماؤں سے مبارکبادیں بھی وصول کرے۔۔۔؟

محترم قارئین! یہ اعزاز صرف پاکستان کو حاصل ہے جس میں حالیہ انتخابات میں یہ سب ہوگیا جو دنیا کے کسی بھی ترقی یافتہ یا ترقی پذیر ملک میں ابھی تک نہیں ہوا۔ ایک طرف پولنگ سٹیشن وائز نتائج کا اعلان جاری ہوگیا اور دوسری طرف پورے ملک میں پولنگ کے وقت میں 1 گھنٹے کا اضافہ کردیا گیا۔ یہ تمام کام ایک مکمل منصوبہ بندی کے تحت کیا گیا۔ ابھی ووٹوں کی گنتی جاری تھی کہ حالیہ انتخابات کے نتائج کی صورت میں اکثریت ''لینے والی'' جماعت کے قائدین کامیابی کا اعلان بھی کرگئے۔ (بقیہ: صفحہ نمبر 51 پر ملاحظہ فرمائیں)

بقیہ مضمون انتخابات 2013ء

ان انتخابات میں دھاندلی کے تمام ریکارڈ ٹوٹ گئے۔ وڈیو فوٹیج تک سامنے آگئیں۔ کسی جگہ پریزائیڈنگ آفیسرز۔۔۔ کسی جگہ پولنگ سٹیشن پر تعینات عملہ۔۔۔ کسی جگہ امیدوار اور کسی جگہ امیدواروں کے سپورٹرز۔۔۔ ٹھپے اور انگوٹھے لگاتے نظر آئے۔ لاکھوں کے حساب سے جعلی بیلٹ پیپر تک سامنے آگئے۔ الیکشن کمیشن کی بے حسی اور نااہلیت کے قصے زبان زد عام ہیں۔ درجنوں پولنگ سٹیشن پر نہ عملہ موجود اور نہ ہی پولنگ سے متعلقہ اشیاء۔ الیکشن کمیشن کی غیر آئینی تشکیل اسی دن اور اسی مقصد ہی کے لئے تو عمل میں لائی گئی تھی۔ جب ان کی توجہ دھاندلی کی طرف ثبوتوں کے ذریعے کروائی گئی تو کہا گیا کہ کوئی شکایت آئی تو ضروری اقدام کریں گے۔ غیر آئینی تشکیل شدہ الیکشن کمیشن اپنی 84 سالہ قیادت کے زیر سایہ سب کچھ جاننے کے باوجود آنکھیں بند کئے بیٹھا رہا۔ سپریم کورٹ کے جج بھی اپنے ''محسنوں'' کو ان کے احسان کا بدلہ دینے کے لئے خاموشی اختیار کئے بیٹھے رہے اور کوئی بھی سوموٹو ایکشن دیکھنے سننے میں نہ آیا۔

کئی حلقوں میں ووٹروں کی تعداد سے بھی زائد ووٹ بیلٹ بکسز سے اس نظام انتخابات کو منہ چڑاتے ہوئے برآمد ہوئے۔۔۔ کسی جگہ قومی اسمبلی اور اس کے ماتحت صوبائی حلقوں کے کل ووٹوں کے واضح فرق نے دھن، دھونس اور دھاندلی کا منہ بولتا ثبوت فراہم کیا۔۔۔ اگر Forensic Test کے ذریعے نادرا کے ریکارڈ میں موجود انگوٹھوں کے نشانات کو شناخت کیا جائے تو اس دھاندلی کو کرنے والے، اس کے منصوبے ساز تمام منظر عام پر آسکتے ہیں مگر یہ نہیں ہوگا۔۔۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس میں کئی پردہ نشینوں کے نام آئیں گے۔۔۔ کئی عدالت، امانت اور صداقت شعاری میں مشہور بے نقاب ہوں گے۔۔۔ لہذا اس دھاندلی کے الزامات کی گرد کو بھی کسی نہ کسی بہانے اور کوئی نیا ''کٹا'' کھول کر بٹھا دیا جائے گا۔ شیخ الاسلام کی پیشین گوئی کے عین مطابق ''تبدیلی'' والے ''سٹیٹس'' کو والوں کے ساتھ اتحاد و اتفاق کرچکے۔ خیبر پختونخواہ کی وزارتِ اعلیٰ کے لئے اس شخصیت کا انتخاب عمل میں آیا جو پیپلز پارٹی، شیر پاؤ گروپ اور ANP میں رہا اور آخری وقت میں PTi کے ساتھ شامل ہوگیا۔ یہ سب اسی ظالمانہ، کرپٹ اور فرسودہ سیاسی و انتخابی نظام ہی کے شاخسانے ہیں۔

پرانے چہرے

ان انتخابات میں پھر وہی افراد اور گھرانے ایک مرتبہ پھر اسمبلیوں میں پہنچے جن کو اقتدار، جاگیریں اور سرمایہ وراثت میں ملا ہے۔ پاکستان مسلم لیگ (ن) نے 146 اُن افراد کو الیکشن لڑایا جو دوسری پارٹیاں چھوڑ کر ان سے ملے۔ اس جماعت کے 123 میں سے 55 امیدوار دوبارہ انہی حلقوں سے کامیاب ہوکر اسمبلی پہنچے جن سے وہ 2008ء میں کامیاب ہوئے تھے۔

انتخابات ہو گئے کون جیتا کون ہارا، کس نے کتنے ووٹ لیے؟ یہ سب عارضی باتیں ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ کیا انتخابات سے جمہوریت کو کوئی فائدہ پہنچے گا۔۔۔؟ کوئی ایسی راہ نکلے گی کہ ان انتخابات میں نہ سہی آنے والے وقتوں میں لوگوں کو اپنی مرضی سے نمائندے چننے کا اختیار مل جائے گا۔۔۔؟ کیا لوگوں کے دکھوں کا کوئی درمان ہوگا۔۔۔؟ پاکستان جس معاشی اور سیاسی دلدل میں پھنسا ہوا ہے کیا اس میں سے نکل سکے گا۔۔۔؟

محترم قارئین! جمہوریت کا مطلب صرف انتخابات کا انعقاد نہیں بلکہ انتخابات جمہوریت تک پہنچنے کا ایک راستہ ہیں۔ افسوس ہم نے راستے کے لئے ہی اپنی تمام کاوشیں صرف کردیں اور ان ہی کو اصل منزل سمجھ لیا۔ نیز راستہ بھی وہ چنا جو ہمارے معاشرے کے لئے متقاضی جمہوریت کے لئے موزوں نہیں۔ لہذا حقیقی جمہوریت کی منزل کو پانے کے لئے نظام انتخابات میں تبدیلی کے ذریعے درست راستے کا انتخاب کرنا ہوگا۔ بصورت دیگر ہم دائروں میں سفر کرتے رہیں گے اور قوم کولہو کے بیل کی مانند سفر تو کرے گی مگر منزل تک نہ پہنچ پائے گی۔

پاکستان عوامی تحریک کا جرأت مندانہ کردار اور آئندہ لائحہ عمل

پاکستان عوامی تحریک نے الیکشن سے قبل متعدد بار قوم کو آگاہ کیا تھا کہ موجودہ نظام انتخاب کے تحت کبھی تبدیلی نہیں آئے گی۔ یہ الیکشن کمیشن غیر آئینی ہے اس لئے آزادانہ، شفاف اور Fair الیکشن نہیں کرا سکے گا اور الیکشن کے فوراً بعد جماعتیں دھاندلی کا واویلا کریں گی۔ آج حقیقت سب کے سامنے عیاں ہے ہر جماعت الیکشن کمیشن کی نااہلی، بے حسی اور جانبداری کا رونا روتے اور ان کے خلاف دھرنے دیتے ہوئے نظر آ رہی ہے۔ موجودہ نظام عوام کے حقیقی نمائندوں کو نہیں بلکہ Electables (جیتنے والے گھوڑوں) کو ہی جیتنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اس میں دھن، دھونس اور دھاندلی جیتتے ہیں۔ منشور، اہلیت اور کردار کا اس نظام انتخاب میں کوئی حصہ نہیں۔ اس الیکشن میں دھن سب نے لگایا، دھونس کی بھی کمی نہیں رہی۔ اس کرپٹ نظام انتخاب نے اب تک قوم کو کچھ نہیں دیا اور آئندہ بھی عوام کے مسائل حل نہ ہو سکیں گے۔ یہ نظام ملک و قوم کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ یہ ہمیشہ Electable کو ہی جتاتا رہے گا۔ جو پارٹیاں تبدیل کر کے کبھی ادھر کبھی ادھر جاتے ہیں۔ شیخ الاسلام نے واضح طور پر کہا تھا کہ کوئی پارٹی لیڈر اس قوم کا دشمن نہیں بلکہ یہ ظالمانہ نظام انتخاب اس قوم کا دشمن ہے۔ شیخ الاسلام اور پاکستان عوامی تحریک کی جدوجہد کسی فرد، پارٹی یا خاندان کے خلاف نہیں ہے بلکہ کرپٹ نظام انتخاب کے خلاف ہے۔

اس فرسودہ اور عوام کش نظام انتخابات اور ملک پاکستان میں رائج سیاست کی ایک ہلکی سی جھلک آپ کے سامنے ہے۔ اگر صرف حالیہ انتخابات اور اس میں آزمائے گئے ''ہنر'' ہی کو موضوع بحث بنایا جائے تو ایک ضخیم کتاب منظر عام پر آسکتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اب قوم فیصلہ کرے کہ اس نے اس نظام انتخابات کو بدلنا ہے یا اس سے مزید دھوکے کھانے ہیں۔ اس ملک میں کوئی حقیقی اپوزیشن نہیں، اب حقیقی اپوزیشن کا کردار پاکستان عوامی تحریک پارلیمنٹ سے باہر رہ کر ادا کرے گی۔ اس نظام کے خلاف PAT کی پُر امن انقلابی جدوجہد جاری رہے گی۔ لہٰذا ہر دردمند پاکستانی اور باشعور شہری جو اس نظام سے بیزار ہے اسے اس نظام کے خلاف بغاوت کرنی ہوگی اور حقیقی تبدیلی کے لئے شیخ الاسلام کے شانہ بشانہ کھڑا ہونا ہوگا تاکہ اس جدوجہد کو اس کے منطقی انجام تک پہنچایا جائے۔

تحریک منہاج القرآن اور پاکستان عوامی تحریک کے کارکن مبارکباد کے مستحق ہیں جو اپنے قائد کے شانہ بشانہ جرأت اور استقامت کے ساتھ کھڑے ہیں۔ وقت نے شیخ الاسلام کی ایک ایک بات کو سچ ثابت کر دکھایا۔ مخالفین زخم چاٹ رہے ہیں اور ہمارے ایجنڈے کو منفی انداز میں پیش کرنے والے، ہمارے قائد کی کردار کشی کرنے والے اور ان کی نیت پر شک کرنے والے اپنی بغلیں جھانک رہے ہیں۔

ان شاء اللہ العزیز کامیابی شیخ الاسلام، تحریک منہاج القرآن اور پاکستان عوامی تحریک کے موقف کا مقدر ہے۔ اس کرپٹ نظام کی تبدیلی تک ہماری پرامن عوامی جمہوری جدوجہد ہر سطح پر آئینی و قانونی حدود میں رہ کر جاری و ساری رہے گی۔ ہم اس کرپٹ سیاسی و انتخابی نظام کے خلاف بیداری شعور کے علم کو تھامے آگے بڑھتے رہیں گے۔ پاکستان کی بقا کی واحد امید صرف اور صرف جمہوری نظام میں بڑی تیزی سے بنیادی تبدیلیاں لانے میں ہی ہے۔ جب تک انتخابی اصلاحات مکمل طور پر درست طریقے سے لاگو نہیں ہوں گی تب تک وہی بدعنوان لوگ دوبارہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے رکن بنیں گے اور یہی لوٹ مار کا بازار گرم رہے گا۔ قائداعظم نے فرمایا تھا کہ ''لیڈروں کے انتخاب میں ہمیشہ احتیاط کریں، آدھی جنگ تو لیڈروں کے صحیح انتخاب ہی سے کامیاب ہوجاتی ہے''۔ قوم کو قائد کے اس فرمان کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ ہمارے موجودہ سیاسی و انتخابی نظام و کلچر نے ایسے ''قائدین'' کو جنم دیا ہے جن سے کرپشن اور لوٹ مار کا کلچر وجود میں آیا۔ لہٰذا اس سسٹم کو بدلنا ہوگا تاکہ صحیح اور درست قیادت سامنے آسکے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے اسی کرپٹ نظام کے خلاف اعلان بغاوت کرتے ہوئے اس نظام میں حصہ نہیں لیا تھا اور اب قوم نے بھی حالیہ انتخابات کے نتائج کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ آیئے شیخ الاسلام کے سنگ اس کرپٹ نظام کے خاتمہ اور ملک پاکستان کو حقیقی معنوں میں اسلامی جمہوری اور فلاحی مملکت بنانے میں اپنا کردار ادا کریں۔ ❀❀❀❀❀❀

نظریہ پاکستان

افکارِ اقبالؒ و قائدؒ کی روشنی میں

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

یہ عجیب اتفاق ہے کہ اسلام کے نام پر اسلامیانِ ہند کی بے نظیر جدوجہد کے نتیجے میں بننے والی ریاست ''پاکستان'' کا وجود آج سوالیہ نشان بنایا جارہا ہے۔ سیکولر فکر کے نمائندہ خواتین و حضرات کچھ عرصہ سے نظریہ پاکستان کی اصطلاح کا سرے سے انکار کررہے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اقبال اور قائداعظم نے تحریک پاکستان کے دوران یہ لفظ استعمال نہیں کیا تو بعد میں اس کی رٹ کیوں لگائی جارہی ہے؟ ذیل میں ہم اسی بنیادی غلط فہمی کا ازالہ کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ ثانیاً اس حقیقت کو واضح کرنا مقصود ہے کہ نظریہ پاکستان کی اساس اسلام کے علاوہ کچھ اور نہیں۔ پاکستان محض زمین کے ٹکڑے کے طور پر حاصل نہیں کیا گیا تھا بلکہ بانیانِ پاکستان نے اسے اسلامی فلاحی ریاست بنانے کا خواب دیکھا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کا قیام ایک نظریے کے تحت عمل میں آیا۔ نظریہ پاکستان کی سی حیثیت پاکستان کے وجود میں روح کی ہے جس کے بغیر پاکستان کے قیام کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تحریک پاکستان کے دوران مسلمانان ہند شعوری طور پر ایک نظریے کے تحت آزاد مسلمان مملکت کے قیام کی جدوجہد کر رہے تھے۔ یہ ایک المیہ ہے کہ آج ہمارے تعلیمی نظام کی بے ثمریت، ریاستی و ادارتی بے مقصدیت اور قومی سطح کی بے شعوری کے باعث قیام پاکستان کے تقریباً پون صدی بعد نظریہ پاکستان پر تنازعہ کھڑا کر دیا گیا ہے اور یہ ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ ہم نظریہ پاکستان کو تلاش کریں، اس کی تعریف متعین کریں اور یہ فیصلہ کریں کہ کیا نظریہ پاکستان کی کوئی حقیقت بھی ہے۔۔۔؟

علامہ اقبالؒ اور نظریۂ پاکستان

قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں فکر اقبال کی مرکزی حیثیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ قائد اعظم نے فرمایا تھا کہ ہر بڑی تحریک کا ایک مفکر ہوتا ہے، ہماری تحریک کا مفکر اقبال ہے۔ اقبال نے زندگی کے ہر مرحلے پر عملی اور فکری دونوں لحاظ سے نہ صرف جاندار کردار ادا کیا بلکہ قوم کی واضح رہنمائی بھی کی۔ اقبال کا دسمبر ۱۹۳۰ء کا خطبۂ الہ آباد ہماری تحریک آزادی کا میگنا کارٹا قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس خطبہ میں جہاں اقبال نے مسلمانانِ ہند کے مستقبل کے مقدر کے حوالے سے بصیرت افروز گفتگو کی وہاں اس نظریاتی اساس کو بھی متعین کر دیا جس پر آگے چل کر مسلمانانِ ہند کی جدوجہدِ آزادی استوار ہوئی اور سترہ سال کے عرصے میں انہوں نے پاکستان کی منزل کو پا لیا۔ خطبہ الہ آباد بیک وقت فکری و نظریاتی اور عملی و دستوری پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ آیئے اس خطبہ میں موجود اہم نکات پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

1۔ سیاسی راہ عمل۔۔ اسلام

علامہ نے مسلمانان ہند کے مستقبل کے لیے راہِ عمل متعین کرتے ہوئے فرمایا:

’’میں زندگی بھر کے مطالعے کے بعد اسلام کو بطور ایک عالمگیر حقیقت کے دیکھنے کی استعداد حاصل کر چکا ہوں۔ لہٰذا جب بھی مسلمانانِ ہند کے لیے کوئی سیاسی راہِ عمل متعین کروں گا تو وہ اسلام ہی کے اصولوں سے ماخوذ اور مستنبط ہوگی۔ میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اسلام، اس کے نظام سیاست و قانون، اس کی ثقافت، اس کی تاریخ اور اس کے ادب کے مطالعہ میں صرف کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ روح اسلام کے ساتھ مسلسل تعلق کی بدولت جس کا اظہار وقت کے ساتھ ہورہا ہے، میرے اندر اسلام کو ایک اہم عالم گیر حقیقت کی حیثیت سے دیکھنے کی بصیرت پیدا ہوگئی ہے۔ چنانچہ یہ فرض کرتے ہوئے کہ ہندوستان کے مسلمان اسلام کی روح سے اپنی وابستگی برقرار رکھیں گے، میں اپنی اس بصیرت کی روشنی میں، جس کی قدر و قیمت خواہ کچھ ہو، آپ کے فیصلوں میں آپ کی راہ نمائی کرنے کا دعویٰ تو نہیں کرتا تاہم آپ کے دل میں اس بنیادی اصول کا احساس پیدا کرنے کی ایک عاجزانہ کوشش کروں گا جس پر میرے خیال میں ان تمام فیصلوں کا عموماً انحصار ہونا چاہیے‘‘۔

2۔ اسلام ہی نظریہ پاکستان کی اساس کیوں؟

اسلام کو اساس بنانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ نے فرمایا:

’’وہ اسلام کو ایک ایسی زندہ قوت سمجھتے ہیں جس کے مستقبل سے وہ قطعاً مایوس نہیں بلکہ وہ اسے ایک ایسی تقدیر کی حیثیت سے دیکھتے ہیں جس کا فیصلہ کوئی دوسری تقدیر نہیں کرسکتی۔ آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اس اجلاس کی صدارت کے لیے ایک ایسے شخص کو منتخب کیا ہے جو اس امر سے مایوس نہیں ہے کہ اسلام اب بھی ایک زندہ قوت ہے جو انسان کے تصور کو جغرافیائی حدود سے آزاد کراسکتی ہے؟ جس کا یہ عقیدہ ہے کہ مذہب کو فرد اور ریاست کی زندگی میں بے انتہا اہمیت حاصل ہے اور جس کا ایمان ہے کہ اسلام بجائے خود تقدیر ہے اسے کسی دوسری تقدیر کے حوالے نہیں کیا جاسکتا۔ ایسا شخص مجبور ہے کہ معاملات کو خود اپنے ہی نقطۂ نگاہ سے دیکھے۔ یہ خیال نہ کریں کہ جس مسئلے کی طرف میں اشارہ کررہا ہوں وہ محض ایک نظری مسئلہ ہے۔ یہ ایک زندہ اور عملی مسئلہ ہے جس سے اسلام کے دستور حیات اور نظام عمل کے تار و پود متاثر ہوسکتے ہیں۔ ہندوستان میں ایک ممتاز ثقافت وحدت کی حیثیت سے صرف اس مسئلے کے صحیح حل پر آپ کے مستقبل کا انحصار ہے۔ ہماری تاریخ میں اسلام پر آزمائش کا ایسا سخت دور کبھی نہیں آیا تھا جیسا کہ آج درپیش ہے۔ ایک قوم کو یہ حق تو حاصل ہے کہ وہ اپنے معاشرتی ڈھانچے کے بنیادی اُصولوں میں ترمیم کرے یا ان میں نئے معنی تلاش کرے یا انھیں بالکل مسترد کردے، لیکن نئے تجربات کرنے سے پہلے واضح طور پر یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ میں نہیں چاہتا کہ جس انداز سے میں اس اہم مسئلے کو دیکھ رہا ہوں، اس سے یہ خیال پیدا ہو کہ جن حضرات کی سوچ میری سوچ سے مختلف ہے، میں ان سے جھگڑا کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کا اجتماع مسلمانوں کا اجتماع ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ اسلام کے مقاصد اور اس کی روح سے وفادار رہنے کے خواہش مند ہیں۔ میرا واحد مقصد یہ ہے کہ موجودہ صورت حال کے بارے میں جو میری دیانت دارانہ رائے ہے اس کا صاف صاف اظہار کردوں۔ میرے خیال میں صرف یہی ایک صورت ہے کہ میں آپ کے سیاسی عمل کی راہوں کو اپنے عقائد کی روشنی سے منور کرسکوں‘‘۔

3۔ اسلام اور وحدتِ انسانیت

خطبہ الہ آباد اسلام کے تہذیبی، معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی پہلوؤں کو جس طرح بیان کرتا ہے وہ ہماری تاریخ میں اسلام کے تہذیبی جوہر کو منکشف کرنے کے لحاظ سے بے مثال ہے۔ علامہ نے اسلام کے مزاج اور اسلام کی نگاہ میں انسانیت کی وحدت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اسلام انسان کی وحدت کو مادے اور روح کی متضاد دوئی میں تقسیم نہیں کرتا۔ اسلام میں خدا اور کائنات، روح اور مادہ، کلیسا اور ریاست ایک کل کے مختلف اجزاء ہیں۔ انسان کسی ناپاک دنیا کا باشندہ نہیں ہے جسے کسی ایسی دنیا کی خاطر ترک کرے جو کہیں اور واقع ہے۔ اسلام کے نزدیک مادہ روح کی وہ شکل ہے جو زماں و مکاں میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ یورپ نے غالبًا مانویت کے زیر اثر روح اور مادے کی دوئی کو بلاغور وفکر قبول کرلیا ہے۔ اس کے بہترین مفکر اس ابتدائی غلطی کو آج محسوس کررہے ہیں، لیکن اس کے سیاست دان بالواسطہ دنیا کو مجبور کررہے ہیں کہ اسے ناقابل انکار عقیدے کے طور پر تسلیم کرلیں۔ دراصل روحانی اور دنیاوی زندگی میں امتیاز کرنے کا یہی غلط اصول ہے جس سے یورپ کا مذہبی اور سیاسی فکر زیادہ طور پر متاثر ہوا ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ یورپ کی ریاستوں سے عیسائیت عملی طور پر بالکل بے دخل ہوچکی ہے۔ اس سے مختلف بے ربط ریاستیں قائم ہوگئی ہیں جن میں انسانی جذبے کی بجائے قومی اغراض کی بالادستی ہے''۔

4۔ اسلامی نظامِ سیاست

چونکہ علامہ مسلمانوں کے مستقبل کی سیاسی جدوجہد اور راہ عمل کا تعین اسلام کے دیئے ہوئے اصولوں کی روشنی میں کر رہے تھے۔ سو انہوں نے اس بات کو واضح کیا کہ اسلام ایک ایسے نظامِ سیاست کا حامل ہے جس کی بنیاد وحی ہے۔ وحی سے تشکیل پانے والا نظامِ سیاست بیک وقت مذہبی اور معاشرتی نصب العین کی وحدت کا حامل ہے جس میں ایک کو اختیار اور دوسرے کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ایک نصب العین کو مسترد یا نظر انداز کیا جائے گا تو دوسرا نصب العین خود بخود مسترد ہو جائے گا۔ علامہ نے فرمایا:

''اس (وحی) کا فوری نتیجہ ایک ایسے نظامِ سیاست کے بنیادی اصولوں کی صورت میں ظاہر ہوا جس میں قانونی تصورات مضمر تھے اور جس کی معاشرتی اہمیت کو محض اس لیے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ ان کی بنیاد وحی و الہام پر ہے۔ اس لیے اسلام کا مذہبی نصب العین اس کے معاشرتی نظام سے مربوط و منسلک ہے جو خود اس کا اپنا پیدا کردہ ہے۔ اگر ایک کو رد کیا گیا تو دوسرے خود بخود مسترد ہوجائے گا اس لیے ایک مسلمان اس بات کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ نظامِ سیاست کو ایسے قومی خطوط پر مرتب کیا جائے جس سے اسلام کے اصول اتحاد کی نفی ہوجائے''۔

5۔ نظامِ سیاست و ریاست کے احیاء کی ضرورت

سو جب ملت اسلامیہ وحی سے حاصل ہونے والے عالمگیر نظامِ ریاست و سیاست کی امین ہے تو یہ ضروری ہے کہ وہ اس نظامِ سیاست و ریاست کی دور نو کے مطابق از سر نو تشکیل اور تدوین کرے۔ علامہ نے فرمایا:

''دنیائے اسلام میں ایک عالم گیر نظام ریاست موجود ہے جس کے بنیادی نکات وحی و تنزیل کا نتیجہ اور ثمرہ ہیں لیکن ہمارے فقہا جدید دنیا سے بے تعلق رہے ہیں، اس لیے موجودہ زمانے میں انھیں از سر نو مرتب کر کے مستحکم کرنے کی ضرورت ہے''۔

یہ وہ اعلیٰ و ارفع مقاصد تھے جن کو پیش نظر رکھتے ہوئے علامہ آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے خطبہ صدارت میں مسلمانوں کے مستقبل کی راہِ عمل متعین فرما رہے تھے۔ یہ علامہ کی بصیرت تھی کہ انہوں نے تاریخ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اگر ملت اسلامیہ نے اسلام کے دیئے گئے عالمگیر نظامِ ریاست و سیاست کی تشکیل نو کرنی ہے تو اس کے لیے سب سے مناسب ترین خطہ ہندوستان ہے۔

کیونکہ ہندوستان ہی وہ ملک ہے جہاں اسلام ایک بہترین انسانیت ساز قوت کی حیثیت سے ظہور پذیر ہوا ہے۔ حقیقت میں یہ کہنا کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ دنیا بھر میں شاید ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں اسلام ایک بہترین مردم ساز قوت کی حیثیت سے جلوہ گر ہوا ہے''۔

علامہ نے برصغیر کی تاریخ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مسلمانانِ ہند کی قومی زندگی میں اسلام بطور اخلاقی نصب العین اور سیاسی نظام کے ایک اہم جزو رہا ہے۔ لہٰذا جب بھی دورِ نو کے تقاضوں کے مطابق اسلام کے نظامِ سیاست و ریاست کی تشکیل نو کرنی ہو گی تو ہندوستان کے خطے اور یہاں کے باسیوں کے کردار کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ علامہ فرماتے ہیں:

''یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اسلام بطور ایک اخلاقی نصب العین اور سیاسی نظام مسلمانانِ ہند کی تاریخ کا اہم ترین جزو ترکیبی رہا ہے۔ اس اصطلاح سے میری مراد ایک ایسا معاشرتی ڈھانچہ ہے جس کا نظم و ضبط ایک مخصوص اخلاقی نصب العین اور نظام قانون کے تحت عمل میں آتا ہے''۔

6۔ نظریۂ قومیت

وہ اعلیٰ مقاصد جن کا علامہ یہاں ذکر فرما رہے ہیں اگر اسلام واقعی ان مقاصد کے حصول کو اپنا ہدف قرار دیتا ہے اور ملت اسلامیہ اپنے مستقبل کو ان مقاصد کے حصول کے ساتھ منسلک اور ان کے لیے وقف کرتی ہے تو اس کی راہ میں جو سب سے بڑی رکاوٹ ہو گی وہ نظریہ قومیت ہے جس کا اس وقت جس کا پرچار کیا جا رہا تھا۔ علامہ نے فرمایا:

''اس وقت قومیت کے نظریے نے مسلمانوں کے نقطہ نگاہ کو نسل پرستی سے آلودہ کردیا ہے اور اس طرح (یہ نظریہ) اسلام کے انسانیت پرور مقاصد میں بری طرح حائل ہورہا ہے۔ ممکن ہے کہ نسل پرستی کے احساسات کی ترقی ایسے معیاروں کا محرک ہو جو اسلام کے معیار سے مختلف بلکہ متضاد ہو''۔

اس مرحلے پر علامہ نے مسلمانانِ ہند کو اس بنیادی نکتے کی طرف متوجہ کیا کہ اگر وہ دورِ جدید کے نظریہ قومیت کو اختیار کریں گے تو اسلام کو بطور ایک اخلاقی نصب العین کے کبھی بھی جاری نہیں رکھ سکیں گے۔ آپ نے فرمایا:

''کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اسلام کو بطور ایک اخلاقی نصب العین تو باقی رکھیں لیکن اس کے نظام سیاست کو رد کر کے نظریۂ قومیت کی بنیاد پر سیاسی نظامات اختیار کرلیں جن میں مذہبی رجحان کو کوئی کردار ادا کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی؟ ہندوستان میں یہ سوال خصوصی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ مسلمان یہاں اقلیت میں ہیں''۔

7۔ جداگانہ تشخص کا شعور

یہی وہ بنیادی اہداف تھے جن کی بنیاد پر علامہ نے برصغیر کے مسئلے کے مستقل تصفیے کے لیے ہندوستان کی تقسیم کو ضروری قرار دیتے ہوئے فرمایا:

''مسلمانان ہند کا سب سے بڑا مطالبہ یہ ہے کہ فرقہ وارانہ مسئلے کے مستقل تصفیے کے لیے برطانوی ہندوستان کی از سرِ نو تقسیم کی جائے''۔

ماضی میں برصغیر کی مسلمان قیادت نے ایسے وہ تمام فیصلے جو مسلمانوں کے جداگانہ تشخص کی قربانی دیتے ہوئے کیے علامہ نے ان کو نہ صرف مسترد کیا بلکہ ان دونوں نمایاں فیصلوں یعنی میثاقِ لکھنؤ اور تجاویز دہلی کو ایسے سیاسی گڑھوں سے تعبیر کیا کہ اگر مسلمان ان میں گھرے رہے تو مستقبل میں ان کے لیے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کا کوئی بھی موقع باقی نہیں بچے گا۔ علامہ نے اس جانب متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

''مسلمان سیاسی لیڈر دو گڑھوں میں گر چکے ہیں۔

ا۔ پہلا گڑھا مسترد شدہ ''میثاق لکھنؤ'' تھا جو ہندوستان قومیت کے غلط تصور کی پیداوار تھا۔ اس سے

مسلمان ہندوستان میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے تمام مواقع سے محروم ہو گئے۔

۲۔ دوسرا گڑھا پنجاب کی نام نہاد دیہاتی آبادی کی خاطر اسلامی اتحاد کی عاقبت نااندیشانہ قربانی تھی جس کا اظہار ایک ایسی تجویز میں ہوا جس سے پنجاب کے مسلمان اقلیت میں رہ جاتے ہیں۔ مسلم لیگ کا فرض ہے کہ وہ میثاق اور تجویز دونوں کی مذمت کرے‘‘۔

8۔ علیحدہ ریاست کی ضرورت کیوں؟

علامہ نے فرمایا:

’’ مسلمان اگر اسلام کو بطور ایک تمدنی قوت کے زندہ رکھنا چاہتے ہیں تو وہ کسی بھی وقتی یا محدود مفاد کو حاصل کرنے کے لیے اپنے اجتماعی اہداف کی قربانی دینے کی بجائے ہندوستان کے کسی ایک مخصوص علاقے میں اپنی حکومت بنائیں۔ آپ نے فرمایا:

’’ہندوستان دنیا میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے۔ اسلام کو بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے میں اپنی مرکزیت قائم کر سکے‘‘۔

پھر اس بات کو مزید بڑھاتے ہوئے علامہ نے پیغمبرانہ آہنگ سے ہندوستان کے مستقبل کے حوالے سے وہ الفاظ ارشاد فرمائے جو ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ایک حقیقت بن گئے:

’’میں ذاتی طور پر ان مطالبات سے بھی ایک قدم آگے جانا چاہتا ہوں جو اس قرارداد میں پیش کیے گئے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک ریاست بنا دیا جائے۔ مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ کم از کم ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک مربوط مسلم ریاست، خواہ یہ ریاست سلطنت برطانیہ کے اندر خود اختیاری حاصل کرے یا اس کے باہر، ہندوستان کے شمالی مغربی مسلمانوں کا آخر کار مقدر ہے‘‘۔

علامہ جب ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے خود مختاری کا مطالبہ فرما رہے تھے تو ان کے پیش نظر ہندوستان اور اسلام دونوں کا مفاد تھا۔ ہندوستان کا مفاد بایں معنی کہ اس سے توازنِ طاقت پیدا ہو اور اسلام کا مفاد بایں معنی کہ صدیوں سے اسلام پر جو عرب شہنشاہیت کے اثرات مسلط ہو چکے تھے، جن کے باعث اسلام کی اصل روح منکشف ہونے سے عاری رہی تھی ہندوستان میں مسلمانوں کی آزاد اور خود اختیاری حکومتوں کے قیام سے اسلام کو اس عربی ملوکیت اور شہنشاہیت کے اثرات سے نکلنے کا موقع ملے گا۔ آپ نے فرمایا:

’’میں ہندوستان اور اسلام کی فلاح و بہبود کے لیے ایک متحدہ مسلم ریاست کے قیام کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ اس سے ہندوستان کے اندر توازن قوت کی بدولت امن و امان قائم ہوجائے گا اور اسلام کے لیے ایک مواقع فراہم کرے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہوجائے جو عربی شہنشاہیت (Arabian Imperialism) نے اس پر ڈال دیے تھے اور اپنے قوانین، اپنی تعلیم اور اپنی ثقافت کو حرکت میں لاکر ان کی اصل روح اور عصر جدید کی روح سے رابطہ قائم کر سکے‘‘۔

9۔ اسلامی ریاست اور اقلیتوں کے حقوق

جب علامہ نے ایک الگ اور خود اختیار حکومت کے حامل خطے کا مطالبہ کیا تو لازمی تھا کہ دوسرے مذاہب سے وابستہ لوگوں کے دلوں میں کچھ خطرات پیدا ہوتے۔

علامہ نے اس کا ازالہ کرنے کے لیے اسلام کی بنیادی تعلیمات کا ذکر فرمایا۔ اسلام ہمیں اقلیتوں کے تمام اصول، قوانین، شعائر ، مذہبی اداروں اور عبادت گاہوں کے تحفظ کی تعلیم دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

’’جو فرقہ دوسرے فرقوں کی طرف بدخواہی کے جذبات رکھتا ہو وہ نیچ اور ذلیل ہے۔ میں دوسری قوموں کے رسوم، قوانین، معاشرتی اور مذہبی اداروں کا بے حد احترام کرتا ہوں۔ یہی نہیں بلکہ قرآن پاک کی تعلیم کے مطابق ضرورت

پڑے تو ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت بھی میرا فرض ہے۔ اس کے باوجود مجھے اس جماعت سے محبت ہے جو میری حیات اور میرے اوضاع و اطوار کا سرچشمہ ہے اور جس نے مجھے اپنا مذہب، اپنا ادب، اپنی فکر اور اپنی ثقافت دے کر میری تشکیل اس صورت میں کی ہے کہ جیسا میں ہوں اور اس پر میرے ماضی کو ازسرنو زندہ کرکے وہ میرے شعور کا ایک زندہ و فعال عنصر بن چکی ہے‘‘۔

بلکہ وہ اقلیتیں جنہیں قرآن مجید نے اہل کتاب کہا ہے ایسی ملت ہیں جن کے ساتھ نکتہ اشتراک پر اتحاد و یگانگت کی دعوت خود قرآن حکیم نے دی ہے۔ اقبال فرماتے ہیں:

’’وہاں کی اقلیتیں قرآن کے الفاظ میں ’’اہل کتاب‘‘ میں سے ہیں۔ کسی یہودی، عیسائی یا زرتشتی کے چھونے سے مسلمان کا کھانا ناپاک نہیں ہوتا اور اسلامی قانون اہل کتاب کے ساتھ مناکحت کی اجازت دیتا ہے۔ حقیقت میں اسلام نے پہلا قدم انسانیت کے اتحاد کی طرف اٹھایا، وہ یہی تھا کہ جن لوگوں کو اخلاقی نصب العین ایک ساتھ انھیں اتحاد و اتفاق کی دعوت دی۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ. (آل عمران: ۶۴)

’’اے اہلِ کتاب! تم اس بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے‘‘۔

اسلام کی وہ تعلیم جو صدیوں سے یورپ اور مسلم دنیا اور عیسائیوں کے درمیان ہونے والے تنازعوں کے باعث پس منظر میں جا چکی ہے اب موقع ہے کہ اس تعلیم کے لامحدود معنی کو عملی صورت دی جائے۔ اس حوالے سے علامہ نے فرمایا:

’’مسلمانوں اور عیسائیوں کی جنگوں اور اس کے بعد مختلف صورتوں سے یورپ کی جارحیت کے باعث دنیائے اسلام میں اس آیت کے لامحدود معنوں میں عمل نہ ہو سکا۔ آج بلاد اسلامیہ میں یہ مقصد مسلم قومیت کی شکل میں بتدریج پورا ہو رہا ہے‘‘۔

اسی طرح علامہ نے ہندوؤں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ خودمختار مسلم ریاستوں کے قیام سے ہندو یہ مت سمجھیں کہ اس طرح مذہبی حکومتیں قائم ہوجائیں گی جہاں کسی دوسرے مذہب کو کسی طرح کی آزادی، تحفظ کا تقدس حاصل نہ ہو گا بلکہ یہ تو خود اسلام کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے:

’’ہندوؤں کو خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے کہ خودمختار مسلم ریاستوں کے قیام سے ایک طرح کی مذہبی حکومتیں (Religious Rule) قائم ہوجائیں گی۔ اس سے پہلے میں بتا چکا ہوں کہ اسلام میں مذہب کا مفہوم کیا ہے۔ حقیقتاً اسلام میں کلیسائی نظام نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی ریاست ہے جس کا اظہار روسو سے بھی بہت پہلے معاہدہ عمرانی کی صورت میں ہو چکا تھا۔ اس کے پیچھے ایک اخلاقی نصب العین ہے جو انسان کو کسی خاص علاقے کی سرزمین سے وابستہ نہیں سمجھتا بلکہ وہ ایک روحانی ہستی ہے جو ایک اجتماعی معاشرتی نظام کا زندہ و متحرک جزو اور چند حقوق و فرائض کا حامل ہے‘‘۔

10۔ منظّم کاملیت اور اجتماعی خودی کی ناگزیریت

علامہ نے خطبے کا اختتام کرتے ہوئے جو آفاقی اور ابدی اہمیت کے حامل الفاظ ارشاد فرمائے وہ قرآن حکیم ہی کی ایک آیہ مبارکہ کی تفسیر ہیں اور وہ آج بھی ہمارے لیے ایک روشن راہِ عمل ہیں۔ علامہ نے فرمایا:

’’ موجودہ بحران سے نمٹنے کے لئے ہماری ملت کو مستقبل قریب میں ایک آزادانہ راہ عمل اختیار کرنی پڑے گی اور آزادانہ سیاسی راہ عمل ایک مقصد پر مرکوز ہو۔ کیا آپ کے لیے یہ ممکن ہے کہ متحدہ عزم کے لیے منظّم کاملیت حاصل کرلیں؟ بے شک یہ ممکن ہے۔ فرقہ بندی اور نفسانیت کی قیود سے آزاد ہو جایئے۔ اپنے انفرادی اور

اجتماعی اعمال کی قدر و قیمت کا اندازہ کیجیے خواہ وہ مادی اغراض ہی سے متعلق کیوں نہ ہوں۔ اس نصب العین کی روشنی میں، جس کی آپ نمایندگی کر رہے ہیں، مادہ سے گزر کر روحانیت کی طرف آیئے۔ مادہ کثرت ہے۔ روح نور ہے، حیات ہے، وحدت ہے، مسلمانوں کی تاریخ سے میں نے ایک سبق سیکھا ہے کہ آڑے وقتوں میں مسلمانوں کو اسلام نے بچایا ہے، مسلمانوں نے اسلام کی حفاظت نہیں کی۔ اگر آج آپ اپنی نظریں اسلام پر جما دیں اور اس کے زندگی بخش تخیل سے متاثر ہوں تو آپ اپنی پراگندہ قوتوں کو از سرنو جمع کر لیں گے اور اپنی صلابت کردار کو دوبارہ حاصل کر لیں گے۔ اس طرح آپ اپنے آپ کو مکمل تباہی سے بچا لیں گے۔ قرآن مجید کی ایک نہایت معنی خیز آیت یہ ہے کہ پوری انسانیت کی موت و حیات بھی فرد واحد کی موت و حیات کی طرح ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ آپ جو سب سے پہلے انسانیت کے اس بلند وارفع تصور پر عمل پیرا ہوئے، اسی اصول پر جئیں اور آگے بڑھیں اور اپنے آپ کو ایک نفس واحد کی طرح رکھیں۔ میں جب یہ کہتا ہوں کہ ہندوستان کی حالت وہ نہیں جو بظاہر نظر آتی ہے تو میرا مقصد کسی کو حیرت میں ڈالنا نہیں ہے۔ بہرحال اس کے صحیح معنی آپ پر اس وقت آشکار ہو جائیں گے جب آپ ان کے مشاہدے کے لیے ایک صحیح اجتماعی خودی پیدا کر لیں گے۔ قرآن کے الفاظ میں:

عَلَيۡكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ لَا يَضُرُّكُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اهۡتَدَيۡتُمۡ.

”تم اپنی جانوں کی فکر کرو، تمہیں کوئی گمراہ نقصان نہیں پہنچا سکتا اگر تم ہدایت یافتہ ہو چکے ہو“۔ (المائدہ:۱۰۵)

قائداعظم اور نظریہ پاکستان

تحریک پاکستان کے دوران تحریک آزادی کے قائدین اس امر سے آگاہ تھے کہ وہ جس وطن کے حصول کی کوشش کر رہے ہیں اس کا مقصد اور ہدف کیا ہے، اور کس نظریے کی بنیاد پر وہ اس جدوجہد کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

علامہ اقبال کے نظریات و افکار سے آگاہی کے بعد قائداعظم کے افکار کا مطالعہ کرتے ہیں کہ وہ کس مقصد کے حصول کے لئے تگ و دو کر رہے تھے، آیئے اُنہی کی زبانی سنتے ہیں:

1۔ حقانیتِ اسلام

☆ قائد اعظم نے یکم فروری ۱۹۴۳ء کو اسماعیل کالج بمبئی میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام صرف مذہب کا نام نہیں بلکہ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات (Complete Code of Life) ہے۔ انہوں نے فرمایا:

Islam means peace with God and peace with man

☆ یکم جنوری ۱۹۳۸ء کو گیا کے مسلمانوں کی طرف سے دیئے گئے استقبالیے کے جواب میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

مسلم لیگ کا پرچم اسلام کا پرچم ہے۔ مسلم لیگ کو اسلام سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم سیاست میں مذہب کو داخل کر رہے ہیں۔ بلکہ اسلام تو مکمل ضابطہ حیات (Complete Code of Life) ہے۔ یہ صرف مذہب نہیں بلکہ قانون، فلسفہ اور سیاست بھی ہے۔ اسلام ہر اس تفصیل پر مشتمل ہے جو ہماری شب و روز کی زندگی سے متعلق ہے۔ جب ہم اسلام کہتے ہیں تو اس سے ہماری مراد یہی کل اسلام ہے۔ اسلامی نظام حیات کی اساس آزادی (Liberty)، مساوات (Equality)، اور اخوت (Fraternity) ہے۔

Beverley Nichols کے مسلم قوم کی تعریف کے سوال کے جواب میں قائداعظم نے فرمایا:

”اسلام صرف ایک مذہبی عقیدے کا نام نہیں بلکہ زندگی کے حقیقی اور عملی ضابطہ حیات (realistic and practical Code of Conduct) کا نام ہے“۔

2۔ اسلام اور پاکستان

قائد اعظم نے اسلام اور پاکستان کو کبھی بھی ایک دوسرے سے الگ نہیں سمجھا۔ آیئے اُن کے چند خطابات کے اقتباسات کا مطالعہ کرتے ہیں:

☆ اپنے ایک خطاب میں فرمایا کہ قیام پاکستان کے بغیر یہاں اسلام کا کوئی مستقبل نہیں ہوگا۔

☆ ۴ فروری ۱۹۳۵ء کو مرکزی قانون ساز اسمبلی میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں ہندوستان میں اپنے مذہب، زبان اور کلچر کا تحفظ چاہیے۔

☆ ۱۹ دسمبر ۱۹۴۶ء کو قاہرہ میں ایک تقریر میں فرمایا کہ اگر ہندوستان میں ہندو اقتدار قائم ہوگیا تو اس کا مطلب ہوگا ہندوستان میں اسلام کا خاتمہ بلکہ دوسرے مسلمان ممالک میں بھی۔

☆ ۱۰ مارچ ۱۹۴۱ء کو مسلم یونیورسٹی یونین علی گڑھ سے خطاب میں فرمایا کہ پاکستان نہ صرف قابل حصول منزل ہے بلکہ اگر ہم ہندوستان میں اسلام کو مکمل فنائیت سے بچانا چاہتے ہیں تو ہماری یہی واحد منزل ہے۔

☆ ۲ مارچ ۱۹۴۱ء کو پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن لاہور کے اجلاس سے خطاب میں فرمایا کہ مسلمانان ہند کے مسئلے کا واحد حل ہندوستان کی تقسیم ہے۔ تاکہ ہندو اور مسلم دونوں اپنے معاشی، معاشرتی وسماجی، ثقافتی اور سیاسی معیارات کے مطابق ترقی کرسکیں۔ ہماری جدوجہد کا مقصد صرف مادی ترقی نہیں بلکہ مسلم قوم کی روح کی بقا اور تحفظ ہے۔

قائد اعظم کے نزدیک اسلام اور پاکستان کے تعلق کی نوعیت کیا تھی، اس کی وضاحت بھی ان کے مختلف بیانات اور تقاریر سے ہوتی ہے۔ ان میں سے چند ذیل میں پیش کئے جارہے ہیں:

☆ یکم فروری ۱۹۴۳ء کو ہی اسماعیل کالج بمبئی کے طلباء خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

''اسلام مسلمانوں کی زندگی بشمول سماجی و معاشرتی، ثقافتی، سیاسی اور معاشی پہلوؤں کے لیے رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ پاکستان کی صورت میں ہم ایک ایسی ریاست قائم کریں گے جو اسلام کے اصولوں کے مطابق چلائی جائے گی۔ اس کے ثقافتی، سیاسی اور اقتصادی نظام کی بنیاد اسلام کے اصولوں پر رکھی جائے گی۔ اس تصور سے غیر مسلموں کو خائف نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں وہ دور حاضر کے نام نہاد جمہوری پارلیمانی نظام حکومت کے مقابلے میں زیادہ محفوظ ہوں گے۔ ہمیں مغربی طرز کی پارلیمانی یا کانگرس طرز کی حکومت نہیں چاہیے بلکہ ہم حقیقی جمہوریت چاہتے ہیں جو اسلام کے مطابق ہو''۔

یہاں قائد اعظم کے اس بیان میں اقبال کے روحانی جمہوریت کے تصور کی جھلک نظر آتی ہے۔

☆ اس سے بھی بہت پہلے ۳۰ دسمبر ۱۹۱۶ء کو لکھنو میں مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے قائد اعظم نے فرمایا کہ مسلمان دنیا کی ہر قوم سے زیادہ جمہوری قوم ہیں حتی کہ اپنے مذہبی معاملات میں بھی۔

3۔ قائداعظم اور لفظِ ''نظریہ'' کا استعمال

قائد اعظم نے اپنی تقاریر اور بیانات میں آئیڈیالوجی کا لفظ کئی بار استعمال کیا۔

☆ ۱۳ دسمبر ۱۹۴۶ء کو بی بی سی اور امریکی براڈ کاسٹنگ کارپوریشن سے نشر ہونے والے پیغام میں قائداعظم نے فرمایا کہ ہندوستان کی تقسیم سے ہماری مراد دونوں قوموں کو اپنے اپنے کلچر اور آئیڈیالوجی کے مطابق آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کرنا ہے۔

☆ ۲۴ نومبر ۱۹۴۵ء کو مردان میں ایک عوامی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ پاکستان کے قیام کا مطلب ایسی آزاد مسلم ریاست قائم کرنا ہے جہاں مسلمان مسلم آئیڈیالوجی کو نافذ کرسکیں۔

☆ ۱۵ جون ۱۹۴۵ء کو فرنٹیئر مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام پیغام میں فرمایا کہ پاکستان کا مطلب صرف آزادی اور

خودمختاری نہیں بلکہ اس مطلب مسلم آئیڈیالوجی کا تحفظ ہے۔

☆ ۲۶ مارچ ۱۹۴۸ء کو چٹا گانگ میں ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم پاکستان میں ہی انسانی ترقی کے عظیم آئیڈیلز، سماجی انصاف، مساوات اور اخوات کو عملی شکل دے سکتے ہیں۔ جو ایک طرف تو پاکستان کی تخلیق کے بنیادی مقاصد ہیں اور دوسری طرف ہماری نوزائیدہ ریاست کا مثالی سماجی نظام تشکیل دینے کے لیے لامتناہی امکانات کے حامل بھی ہیں۔ پاکستان اس لیے قائم کیا گیا کہ ذات پات پر مبنی معاشرے میں انسانی روح کو مکمل تباہی سے بچایا جا سکے“۔

قیام پاکستان کے مقاصد جو اس کی آئیڈیالوجی کے بنیادی عناصر ہیں، صرف تقاریر یا بیانات تک ہی محدود نہ تھے۔آل انڈیا مسلم لیگ نے جو Manifesto تیار کیا تھا وہ بھی اسکا عملی مظہر تھا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل اور منشور کمیٹی کے رکن راغب احسن نے ۲۸ اگست ۱۹۴۵ء کو لیاقت علی خان کو منشور کا جو مسودہ ارسال کیا وہ ۳ حصوں، ۱۶ ابواب اور ۱۱۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کی تلخیص ۳۸ صفحات میں کی گئی تھی۔ اس منشور کے حصہ اول کا عنوان تھا:

Basic Aims & Objectives: Ideals & Ideology

اس منشور کو تیار کرنے والے کس Vision اور بصیرت کے حامل تھے اس کا اندازہ اس کے چند عنوانات سے ہوتا ہے:

1.Third world war will end humanity-

2.Islam is the only escape for mankind

3.New world order

4. Islam and Muslims

5.Socio- Economic Ideals of the Millat & the Muslim League

6.Crash of Civilization & the Role of Pakistan

محترمہ فاطمہ جناح نے مارچ ۱۹۵۴ء میں ڈھاکہ میں ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر آپ لوگ جرأت اور ہمت سے کام لیں اور سراپا جدوجہد بن جائیں تو اس ملک کو صحیح اسلامی آئیڈیالوجی پر استوار کر سکتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اسلامی آئیڈیالوجی کیا ہے، اس کا مطلب ہے جمہوریت، اخوت، سچائی اور انصاف۔ یہ اسلام کے ستون ہیں۔

الغرض اسلامی آئیڈیالوجی جو نظریہ پاکستان ہی ہے تحریک پاکستان کے دوران تحریک آزادی کے قائدین کے لیے کبھی بھی کوئی اجنبی حقیقت نہیں رہا۔زندہ قومیں اپنی نظریاتی اساس کو مستحکم کرتی ہیں اور اس کے اہداف کے حصول کے لیے منصوبہ بندی کرتی اور اپنی توانائیاں وقف کرتی ہیں۔جبکہ ہم ایک واضح نظریاتی اساس کے باوجود اسے متنازعہ بنا رہے ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم نہ صرف اپنی نظریاتی اساس سے آگاہ ہوں بلکہ اس کے مقاصد کے حصول کو قومی زندگی کا مقصد قرار دیں جو قائد اعظم کے الفاظ میں حریت، مساوات اور اخوت ہیں۔یہی اقدار ہمارے سیاسی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی نظام کی اساس ہونی چاہئیں تا کہ ہم اس ملک میں ایسا نظام تشکیل دے سکیں جو اقبال اور قائد اعظم کے الفاظ میں ”روح انسانی کی بقا کا ضامن“ ہو۔ ❁❁❁❁

شبِ برأت

بخشش و مغفرت کی رات

حافظ فرحان ثنائی☆

اللہ رب العزت نے بعض چیزوں کو بعض چیزوں پر فضیلت سے نوازا ہے جیسا کہ مدینہ منورہ کو تمام شہروں پر فضیلت حاصل ہے، وادئ مکہ کو تمام وادیوں پر، بئرِ زمزم کو تمام کنوؤں پر، مسجدِ حرام کو تمام مساجد پر، سفرِ معراج کو تمام سفروں پر، ایک مؤمن کو تمام انسانوں پر، ایک ولی کو تمام مؤمنوں پر، صحابی کو تمام ولیوں پر، نبی کو تمام صحابہ پر، اور رسول کو تمام نبیوں پر اور رسولوں میں تاجدارِ کائنات سرور لولاک حضور نبی اکرم ﷺ خاص فضیلت اور مقام و مرتبہ پر فائز ہے اور بقول شاعر:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اللہ رب العزت نے اسی طرح بعض دنوں کو بعض پرفضیلت دی ہے، یوم جمعہ کو ہفتہ کے تمام ایام پر، ماہِ رمضان کو تمام مہینوں پر، قبولیت کی ساعت کو تمام ساعتوں پر، لیلۃ القدر کو تمام راتوں پر اور شبِ برأت کو دیگر راتوں پر۔ احادیثِ مبارکہ سے اس بابرکت رات کی جو فضیلت وخصوصیت ثابت ہے اس سے مسلمانوں کے اندر اس رات اتباع و اطاعت اور کثرتِ عبادات کا ذوق وشوق پیدا کرنے کی ترغیب ملتی ہے۔

شبِ برأت کی وجہ تسمیہ

احادیث مبارکہ میں ”لیلة النصف من شعبان“ یعنی شعبان کی ۱۵ویں رات کو شب برأت قرار دیا گیا ہے۔ اس رات کو برأۃ سے اس وجہ سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس رات عبادت کرنے سے اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی رحمت سے دوزخ کے عذاب سے چھٹکارا اور نجات عطا کردیتا ہے۔

امتِ مسلمہ کے جمیع مکاتبِ فکر کے فقہاء و علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو مسئلہ بھی قرآن و سنت دونوں یا صرف قرآن یا سنت سے ثابت ہوجائے اس پر عمل واجب ہوتا ہے۔ وہ احادیث جو اس رات کی فضیلت کو اجاگر کرتی ہیں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں ان میں حضرات سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا مولیٰ علی المرتضیٰ، ام المؤمنین عائشہ صدیقہ، عبداللہ بن عمرو بن العاص، معاذ بن جبل، ابوہریرہ، ابوثعلبہ الخشنی، عوف بن مالک، ابوموسیٰ اشعری اور عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہم کے نام شامل ہیں۔

شب برأت پر احادیث کو روایت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سطح تک تعداد حد تواتر تک پہنچتی ہے لہٰذا اتنے صحابہ کا کسی مسئلہ پر احادیث روایت کرنا ان کی حجیت اور قطعیت کو ثابت کرتا ہے۔

سلف صالحین اور اکابر علماء کے احوال سے پتہ چلتا ہے کہ اس رات کو عبادت کرنا ان کے معمولات میں سے تھا۔ لیکن بعض لوگ اس رات عبادت، ذکر اور وعظ و نصیحت پر مشتمل محافل منعقد کرنے کو بدعت ضلالۃ کہنے

☆ ریسرچ سکالر FMRI

سے بھی نہیں ہچکچاتے جو سراسر احادیثِ نبوی ﷺ کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ ذیل میں شبِ برأت کی فضیلت اور اس میں اہتمامِ عبادت کو احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں پیش کیا جارہا ہے۔

۱۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا كَانَ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ يَنْزِلُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لِعِبَادِهِ إِلَّا مَا كَانَ مِنْ مُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ لِأَخِيْهِ.

’’جب ماہِ شعبان کی پندرہویں رات ہوتی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ آسمانِ دنیا پر (اپنے حسب حال) نزول فرماتا ہے پس وہ مشرک اور اپنے بھائی سے عداوت رکھنے والے کے سوا اپنے سارے بندوں کی بخشش فرما دیتا ہے۔‘‘

(بزار المسند، ۱: ۲۰۶، رقم: ۸۰)

امام بزار اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد

امام ابوبکر احمد بن عمرو المعروف بزار کی تاریخ وفات ۲۹۲ھ ہے۔ ان کے اس قول سے معلوم ہوا کہ شعبان کی پندرہویں شب کی فضیلت وخصوصیت تسلیم کرنا اور اس کو بیان کرنا اہل علم کا ابتدائی اَدوار سے طریقہ رہا ہے۔ لہٰذا موجودہ دور میں کوئی شخص بھی اگر شبِ برأت کی غیر معمولی فضیلت کا انکار کرتا ہے تو درحقیقت وہ احادیث مبارکہ اور سلف صالحین کے عمل سے ناواقفیت کی بناء پر ایسا کررہا ہوتا ہے۔

۲۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَقُومُوا لَيْلَهَا وَصُومُوا نَهَارَهَا فَإِنَّ اللهَ يَنْزِلُ فِيهَا لِغُرُوبِ الشَّمْسِ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُولُ: أَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ لِي فَأَغْفِرَ لَهُ؟ أَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَأَرْزُقَهُ؟ أَلَا مُبْتَلًى فَأُعَافِيَهُ؟ أَلَا كَذَا؟ أَلَا كَذَا؟ حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ.

’’جب شعبان کی پندرہویں رات ہو تو تم اس کی رات کو قیام کیا کرو اور اس کے دن روزہ رکھا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ اس رات اپنے حسبِ حال غروب آفتاب کے وقت آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے تو وہ کہتا ہے: کیا کوئی مجھ سے مغفرت طلب کرنے والا نہیں ہے کہ میں اسے بخش دوں؟ کوئی رزق طلب کرنے والا نہیں ہے کہ میں اسے رزق دوں؟ کوئی بیماری میں مبتلا تو نہیں ہے کہ میں اسے عافیت دوں؟ کیا کوئی ایسا نہیں؟ کیا کوئی ویسا نہیں؟ یہاں تک کہ طلوعِ فجر ہو جاتی ہے۔‘‘

(ابن ماجہ، السنن، ۱: ۴۴۴، کتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان، رقم: ۱۳۸۸)

اس حدیثِ مبارک سے شبِ برأت اور دیگر عام راتوں میں فرق واضح طور پر سامنے آتا ہے کہ باقی راتوں میں بھی اللہ رب العزت آسمانِ دنیا پر نزولِ اجلال فرماتا ہے مگر وہ رات کا آخری حصہ ہوتا ہے جبکہ اس مبارک رات میں اللہ تعالیٰ غروبِ آفتاب کے وقت ہی آسمانِ دنیا پر نزول فرما لیتا ہے۔ پھر شبِ برأت میں اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر نوازشات اور انعامات کا عالم تو دیکھیں کہ ایک ایک چیز کا ذکر کر کے خود ہمارا خالق ہمیں اپنی طرف متوجہ فرماتا ہے۔ گناہوں سے چھٹکارا، کشائشِ رزق، بلاؤں اور آفتوں سے نجات وغیرہ کون سی ایسی مصیبت اور بلا رہ جاتی ہو گی جس کا تذکرہ خود وحدہ لا شریک ذات اپنی زبانِ الوہیت سے نہ کرتی ہو گی۔ مگر بندے کو اپنی درماندگی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے:

جھولی ہی میری تنگ ہے — تیرے یہاں کمی نہیں

۳۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو (بستر مبارک پر) نہ پایا پس میں آپ کی تلاش میں باہر نکلی تو دیکھا کہ آپ آسمان کی طرف اپنا سر اٹھائے ہوئے جنت البقیع میں تشریف فرما ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تجھے ڈر ہوا کہ اللہ اور اس کا رسول تجھ پر ظلم کرے گا؟ میں نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! مجھے گمان ہوا کہ آپ کسی دوسری زوجہ کے ہاں تشریف لے گئے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لِأَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ.

''یقیناً اللہ تبارک و تعالیٰ (اپنی شان کے لائق) شعبان کی پندرھویں رات آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے، پس وہ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ لوگوں کو بخش دیتا ہے۔'' (احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۲۳۸)

☆ اس حدیثِ پاک کی روشنی میں اوّلاً حضور ﷺ کے عمل مبارک سے شبِ براءت میں جاگنا، قبرستان جانا اور عبادت و دعا میں مشغول ہونا ثابت ہوا۔

ثانیاً عرب میں بنو کلب کے قبیلہ کے پاس بے شمار بکریاں ہوتی تھیں اور ان کی خوبی یہ تھی کہ عام بکریوں کے مقابل ان کے کافی زیادہ بال ہوتے تھے۔ لہٰذا اس رات اللہ تعالیٰ اپنے کروڑوں بندوں کو مغفرت کا مژدہ سناتا ہے۔

۴۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

(احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۷۶، رقم: ۶۳۵۳)

يَطَّلِعُ اللّٰهُ إِلٰى خَلْقِهِ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَيَغْفِرُ لِجَمِيعِ خَلْقِهِ إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ.

''ماہِ شعبان کی نصف شب (پندرھویں رات) کو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے، پس وہ مشرک اور بغض رکھنے والے کے سوا اپنی تمام مخلوق کو بخش دیتا ہے۔'' (ابن حبان، الصحیح، ۱۲: ۴۸۱، رقم: ۵۶۶۵)

۵۔ حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يَطَّلِعُ اللّٰهُ عَلٰى عِبَادِهِ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَيَغْفِرُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَيُمْهِلُ الْكَافِرِينَ، وَيَدَعُ أَهْلَ الْحِقْدِ بِحِقْدِهِمْ حَتّٰى يَدَعُوهُ.

''اللہ رب العزت شعبان کی پندرھویں رات کو اپنے بندوں پر مطلع ہوتا ہے، پس وہ مومنوں کی مغفرت فرماتا ہے اور کافروں کو مہلت دیتا ہے اور وہ اہل حسد کو ان کے حسد میں چھوڑ دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اسے ترک کر دیں۔''

(طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲: ۲۲۳، رقم: ۵۹۰)

۶۔ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا كَانَ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَإِذَا مُنَادٍ: هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ؟ هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَأُعْطِيَهُ؟ فَلَا يَسْأَلُ أَحَدٌ إِلَّا أُعْطِيَ إِلَّا زَانِيَةٌ بِفَرْجِهَا أَوْ مُشْرِكٌ.

(بیهقی، شعب الإیمان، ۳: ۳۸۳، رقم: ۳۸۳۶)

''جب شعبان کی پندرھویں رات ہوتی ہے تو منادی ندا دیتا ہے: کیا کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے کہ میں اسے بخش دوں؟ کیا کوئی سوال کرنے والا ہے کہ میں اسے عطا کروں؟ پس زانی اور مشرک کے سوا ہر سوال کرنے والے کو عطا کر دیا جاتا ہے۔''

شبِ براءت میں رب کی رحمت سے محروم بندے

یاد رہے کہ بندوں پر دو طرح کے حقوق ہیں:

۱۔ حقوق اللہ ۲۔ حقوق العباد

ان احادیث میں اللہ رب العزت نے اپنے حقِ خاص 'توحید' اور بندوں کے بندوں پر حقِ خاص 'اخوت و بھائی چارہ' کے تحفظ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ شرک ایسا جرم ہے جس کے علاوہ ہر گناہ کی بخشش ہوسکتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا (النساء: ۴۸)

''بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم تر (جو گناہ بھی ہو) جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے، اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اس نے واقعتاً زبردست گناہ کا بہتان باندھا''

شرک اللہ کی بارگاہ میں ناقابلِ معافی جرم ہے لہٰذا بندے کو ہر حال میں اللہ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا چاہیے۔

باقی چار اعمالِ شنیعہ کا تعلق حقوق العباد کے ساتھ ہے۔ ان کی مذمت میں قرآن و حدیث میں واضح تعلیمات موجود ہیں۔ کینہ و حسد انسان کے نفسِ امّارہ کے باعث ہوتے ہیں جو ہر دم انسان کو بڑائی اور تکبر پر اکساتا ہے۔ کینہ کی وجہ سے انسان دوسرے انسان سے نفرت کرتا اور دل میں اس سے بغض رکھتا ہے جبکہ حسد کی وجہ سے انسان دوسروں پر اللہ کی نعمتیں دیکھ کر اندر ہی اندر جلتا اور کڑھتا ہے اور اس سے زائل ہونے کی تمنا رکھتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے کینہ کے بارے میں فرمایا:

تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ، فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا إِلَّا رَجُلًا كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ. فَيُقَالُ: أَنْظِرُوا هٰذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا، أَنْظِرُوا هٰذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا، أَنْظِرُوا هٰذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا.

(مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب النهي عن الشحناء والتهاجر، ۴: ۱۹۸۷، رقم: ۲۵۶۵)

”پیر اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور ہر اس بندے کی مغفرت کر دی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا، سوائے اس بندے کے جو اپنے بھائی کے ساتھ کینہ رکھتا ہو۔ پس (فرشتوں سے) کہا جاتا ہے: ان دونوں کی طرف دیکھتے رہو حتیٰ کہ یہ صلح کر لیں، ان دونوں کی طرف دیکھتے رہو حتیٰ کہ یہ صلح کر لیں، ان دونوں کی طرف دیکھتے رہو حتیٰ کہ یہ دونوں صلح کر لیں۔“

حسد کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان زبانِ زدِ عام ہے:

إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ، فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ. (ابو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في الحسد، ۴: ۲۷۶، رقم: ۴۹۰۳)

”حسد سے بچو، کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ سوکھی لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔“

شبِ برأت کی رحمت بھری ساعتوں سے محروم کرنے والا تیسرا عملِ قبیح 'بدکاری' ہے۔ اس کی مذمّت میں قرآن گویا ہوا:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًاo (الإسراء، ۱۷: ۳۲)

”اور تم زنا (بدکاری) کے قریب بھی مت جانا بے شک یہ بے حیائی کا کام ہے، اور بہت ہی بری راہ ہے“

چوتھا عمل 'قتل' شریعت میں قبیح ترین اور کبیرہ گناہوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کی اس کی کیا مذمت ہو کہ بقول قرآن:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا. (المائدة، ۵: ۳۲)

”جس نے کسی شخص کو بغیر قصاص کے یا زمین میں فساد انگیزی (کی سزا) کے بغیر (ناحق) قتل کر دیا تو گویا اس نے (معاشرے کے) تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا۔“

یہ اسلام کی احترامِ انسانیت پر واشگاف انداز میں تعلیم ہے۔ آج دنیا کے جمیع مذاہب کے ماننے والے اپنے ہم مذہبوں کے تحفظ اور احترام پر قوانین بناتے اور اس پر عمل درآمد کرتے دکھائی دیتے ہیں مگر باقی مذاہب کے ماننے والوں کو تحفظ کوئی فراہم نہیں کرتا۔ جبکہ اسلام واضح انداز میں بغیر مسلم اور مومن کی قید لگائے محض 'انسانی جان' کی حرمت اور تقدس کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کے قتل کو ساری انسانیت کے قتل کے برابر جرم قرار دیتا ہے۔

مذکورہ چاروں اعمالِ قبیحہ و شنیعہ ایسے ہیں جن میں سے کسی ایک کا عامل بھی شعبان المعظم کی پندرھویں

رات یعنی شبِ برأت کی خیر و برکات اور مغفرت و بخشش سے محروم رہتا ہے۔

مذکورہ اعمال کے معاشرہ پر اثرات

قابلِ غور بات یہ ہے کہ اور بھی بہت سی برائیاں اور گناہ ہیں مگر ان میں سے اِن چار کو کیوں چُنا گیا؟ دراصل اس سے بھی شارعِ وشارحِ اسلام ﷺ کی حکمت وبصیرت عیاں ہوتی ہے۔ شرک سے بچا کر توحید کو انسان کے رَگ و پے میں اتار کر اسے صرف خدائے وحدہ لاشریک کا عابد اور ساجد بنانا ہے، تاکہ مخلوق کے آگے جھکنے کی بجائے اللہ کے آگے جھکنے سے انسان کا ظاہر و باطن توحید کی قوت سے آشنا ہو اور ہر باطل سے ٹکرانے کا جذبہ اس کے اندر پیدا ہو۔ بقول ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ:

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے

ثانی: کینہ اور حسد نفسیاتی بیماریاں ہیں جو انسان کو اندر ہی اندر سے کھوکھلا کر دیتی ہیں۔ یہ دونوں برائیاں انسان کو 'ذاتی اور انفرادی' طور پر اپنی لپیٹ میں لیتی ہیں جس سے وہ دوسروں کو شکار کرتا ہے۔ انسان دوسروں پر اللہ کے ظاہری انعامات و اِکرامات دیکھ کر اپنے آپ میں ہی جلتا ہے۔ بعض اوقات یہ حالت اسے دائمی نفسیاتی مریض بنا دیتی ہے اور اس سے بڑھ کر یہی حسد بعض اوقات دشمنی اور عداوت میں بدل جاتا ہے جس کے لئے انسان کوئی بھی حد عبور کر جاتا ہے۔

ثالث: باقی دو برائیاں 'بدکاری اور قتل' اجتماعی طور پر معاشرے پر اثراتِ بد چھوڑتی ہیں۔ اجتماعی لحاظ سے معاشرہ فتنہ وفساد اور قتل و غارت گری کا شکار ہو جاتا ہے۔ انسانوں کو ہر وقت اپنی عزت اور جان کے تحفظ کی فکر لاحق رہتی ہے۔ ایسا معاشرہ جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے لہٰذا ان برائیوں کا سدِّ باب ضروری ہوتا ہے۔

توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے

مذکورہ اعمالِ سیئہ کے ارتکاب کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ بندہ اِن ہی ظلمات میں بڑھتا رہے اور اپنے رب سے مایوس ہو جائے بلکہ وہ سچے دل سے اللہ کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہو اور توبہ کا خواست گار ہو۔ اس کی رحمت اور مغفرت کے دروازے ہر دَم کھلے ہیں:

ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ م بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْٓا لا اِنَّ رَبَّکَ مِنْ م بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (النحل، ۱۶: ۱۱۹)

''پھر بے شک آپ کا رب ان لوگوں کے لیے جنہوں نے نادانی سے غلطیاں کیں پھر اس کے بعد تائب ہوگئے اور (اپنی) حالت درست کر لی تو بے شک آپ کا رب اس کے بعد بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے''

رحمۃ للعالمین و رؤف رحیم نبی ﷺ نے تو یہاں تک تائب بندے کو امید دلائی ہے:

التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ.

(ابن ماجہ، السنن، کتاب الزهد، باب ذکر التوبة، ۲: ۱۴۱۹، رقم: ۴۲۵۰)

''(سچے پکّے دل سے) گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔''

لہٰذا شبِ برأت میں گناہ گاروں اور سیاہ کاروں کو بھی رَب کی رحمت، کرم اور بخشش کے خزانوں سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں بشرطیکہ وہ عجز و نیاز سے اپنے خالق و مالک اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی کرتے ہوئے رب کی بارگاہ میں تائب ہو تو وہ بھی ان خزانوں سے اپنی جھولیاں بھر سکتا ہے۔

صالحین کی آراء اور معمول

۱۔ حضرت علی، حضرت عائشہ صدیقہ اور عثمان بن

اَبی العاص ﷺ سے مروی مذکورہ بالا احادیثِ مبارکہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت اور امر سے اس کی حجیت ثابت ہے۔

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ ماہِ شعبان میں رمضان کے علاوہ باقی تمام مہینوں سے بڑھ کر عبادت کرتے تھے، لہٰذا شبِ برأت کو اس سے کس طرح خارج کیا جا سکتا ہے؟ بلکہ یہ رات دوسری راتوں کی نسبت عبادت کی زیادہ مستحق ہے۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

خمس ليال لا ترد فيهن الدعاء: ليلة الجمعة، و أول ليلة من رجب، و ليلة النصف من شعبان، و ليلتى العيدين. (عبد الرزاق، المصنف، ۴: ۳۱۷، رقم: ۷۹۲۷)

''پانچ راتیں ایسی ہیں جن میں دعا رد نہیں کی جاتیں: جمعہ کی رات، رجب کی پہلی رات، شعبان کی پندرھویں رات، دونوں عیدوں کی راتیں۔''

۴۔ علامہ ابنِ تیمیہ نے اس رات میں عبادت اور قیام پر لکھا ہے:

سئل ابن تيمية عن صلاة نصف شعبان؟ فأجاب: إذا صلى الانسان ليلة النصف وحده أو فى جماعة خاصة كما كان يفعل طوائف من السلف فهو أحسن. (مجموع فتاوى ابن تيميه، ۲۳: ۱۳۱)

''ابنِ تیمیہ سے نصف شعبان میں نفلی نماز ادا کرنے کے بارے سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: جب کوئی بھی انسان نصف شعبان کی رات کو اکیلا یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھے جیسا کہ سلف میں سے بہت سارے گروہ اس کا اہتمام کرتے تھے تو یہ بہت خوب ہے۔''

۵۔ حافظ ابنِ رجب حنبلی لکھتے ہیں:

''شعبان کی ۱۵ویں شب کو اہلِ شام کے تابعین خالد بن معدان، لقمان بن عامر اور ان کے علاوہ دیگر اِس رات کی تعظیم کرتے اور اس میں بے حد عبادت کرتے۔ وہ اِس رات مسجد میں قیام کرتے۔ اس پر امام اسحاق بن راہویہ نے ان کی موافقت کی ہے اور کہا ہے کہ اس رات کو مساجد میں قیام کرنا بدعت نہیں ہے۔'' (لطائف المعارف: ۲۶۳)

مسنون اور مستحب اَذکار و دعائیں

۱۔ اس رات کو بالخصوص آپ ﷺ سے یہ دعا منقول ہے:

اَللّٰهُمَّ أَعُوذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ، وَاَعُوذُ بِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوبَتِکَ، وَأَعُوذُ بِکَ مِنْکَ، لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْکَ أَنْتَ کَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِکَ.

(عسقلانی، الأمالی المطلقة: ۱۲۰)

''اے اللہ! میں تیرے غضب سے تیری خوشنودی و رضا کی پناہ میں آتا ہوں، تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں اور تجھ سے ڈر کر تیری ہی پناہ میں آتا ہوں، میں تیری حمد و ثنا ایسی نہیں کر سکتا جیسی حمد و ثنا تو خود اپنے لیے کرتا ہے۔''

۲۔ دوسری مسنون دعا جس کی آپ ﷺ نے لیلۃ القدر میں پڑھنے کی تلقین کی ہے، وہ بھی اس رات پڑھنا مستحب ہے:

اَللّٰهُمَّ إِنَّکَ عَفُوٌّ کَرِيْمٌ، تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي.

(ترمذی، السنن، کتاب الدعوات، ۵: ۵۳۴، رقم: ۳۵۱۳)

''اے اللہ! تُو بہت معاف کرنے والا اور کرم فرمانے والا ہے۔ عفو و درگزر کو پسند کرتا ہے پس مجھے معاف فرما دے۔''

۳۔ بزرگانِ دین اور علمائے کرام نے اس مبارک رات میں مختلف نوافل پڑھنے کی تعلیم فرمائی ہے:

(۱) شعبان کی ۱۴ تاریخ کو نمازِ مغرب کے بعد دو رکعت نفل اس طرح پڑھے جائیں کہ ہر رکعت میں سورت فاتحہ کے بعد سورت حشر کی آخری تین آیات ۱، ۱ مرتبہ اور سورت اخلاص کو ۳، ۳ بار پڑھا جائے۔

(۲) ۸ رکعات نفل اس طرح پڑھیں کہ ان کی ہر

رکعت میں سورت فاتحہ کے بعد ۱۰، ۱۰ مرتبہ سورت اخلاص پڑھی جائے۔

(۳) ۱۴ رکعات نفل اس طرح پڑھے جائیں کہ ہر رکعت میں سورت فاتحہ کے بعد آخری چار قل والی سورتیں پڑھیں اور بعد از سلام آیت الکرسی اور سورت توبہ کی آخری دو آیتیں ۱۲۸، ۱۲۹ پڑھی جائیں۔

شبِ برأت کی اہمیت و فضیلت پر مروی احادیث صرف اس لیے نہیں ہیں کہ کوئی بھی بندہ مؤمن فقط ان کا مطالعہ کرکے انہیں قصے، کہانیاں سمجھتے ہوئے صرفِ نظر کردے، بلکہ ان احادیث کے بیان کا مقصود یہ ہے کہ انسان اپنے مولا خالقِ کائنات کے ساتھ اپنے تعلق کو استوار کرے جو کہ اس رات اور اس جیسی دیگر روحانی راتوں میں عبادت سے میسر ہوسکتا ہے۔ اِن بابرکت راتوں میں رحمتِ الٰہی اپنے پورے جوبن پر ہوتی ہے اور اپنے گناہگار بندوں کی بخشش و مغفرت کے لیے بے قرار ہوتی ہے لہٰذا اس رات میں قیام کرنا، کثرت سے تلاوتِ قرآن، ذکر، عبادت اور دعا کرنا مستحب ہے اور یہ اعمال احادیثِ مبارکہ اور سلف صالحین کے عمل سے ثابت ہیں۔ اس لیے جو شخص بھی اب اس شب کو یا اس میں عبادت کو بدعتِ ضلالۃ کہتا ہے وہ درحقیقت احادیثِ صحیحہ اور اعمالِ سلف صالحین کا منکر ہے اور فقط ہوائے نفس کی اتباع اور اطاعت میں مشغول ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں حق کی راہ پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ!

❁❁❁❁❁

پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقیؒ

علمی اور دینی خدمات پر خراج عقیدت

(ڈاکٹر علی اکبر قادری)

دورِ قحط الرجال میں جو لوگ قومی اور ملی سطح پر علمی تحقیقی اور تدریسی میدان میں مخلصانہ خدمات پیش کر کے نیک نامی کما رہے ہیں، وہ واقعتاً عظیم لوگ ہیں۔ ایسے رجالِ کار اللہ تعالیٰ کی نعمت ہوتے ہیں اور اس کی شانِ رحمت کی خیرات بانٹنے پر مامور ہوتے ہیں۔ ہمارے ممدوح پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقیؒ یقیناً ایسے ہی خوش نصیب افراد میں سے ایک تھے جو زندگی بھر چراغ کی مانند ماحول میں روشنیاں تقسیم کرتے رہے۔ وہ چونکہ ایک استاد تھے اور قدرت نے انہیں تعلیم و تدریس کا موقع پاکستان کے سب سے بڑے اور معروف ادارے پنجاب یونیورسٹی میں عطا کئے رکھا اس لئے ان کے طلباء نہ صرف پاکستان کے کونے کونے میں موجود ہیں بلکہ بیرون ملک بھی تعلیم و تدریس اور دعوت تبلیغ کے مقدس پیشوں سے منسلک ہیں۔

ڈاکٹر بشیر احمد صدیقیؒ نے شرقپور شریف کے روحانی ماحول میں شعور کی آنکھ کھولی۔ علوم عصریہ کے ساتھ دینی علوم بھی حاصل کئے۔ انہوں نے آرام باغ کراچی اور سندھ مدرسۃ الاسلام سے درس نظامی اور عربی زبان و ادب کی تعلیم حاصل کی۔ 1961ء میں پنجاب یونیورسٹی سے علوم اسلامیہ اور عربی میں ایم اے کے امتحان پاس کئے اور یہیں شعبہ تدریس سے وابستہ ہوگئے۔ انہوں نے 1971ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ہی ’’Modern Trends in Tafsir Literature‘‘ کے عنوان سے گرانقدر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔ تقابلِ ادیان آپ کی دلچسپی کا خصوصی میدان تھا۔ اس لئے ملک بھر کے تعلیمی اداروں میں انہوں نے لیکچرز دیئے اور تحقیقی مقالات پیش کئے۔ وہ پنجاب یونیورسٹی میں 35 برس تک پڑھاتے رہے۔ جن 200 سے زائد سکالر حضرات نے آپ کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کا اعزاز حاصل کیا شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری ان میں سرِ فہرست ہیں۔

قائد تحریک منہاج القرآن نے ایم اے علوم اسلامیہ کے دوران جس طرح ڈاکٹر برہان احمد فاروقی سے شعور مقصدیت پایا اسی طرح ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی کی شخصیت سے تحمل اور پرامن بقائے باہمی جیسے خصوصی فیوضات سمیٹے۔ ڈاکٹر صاحب نے تعلیم و تدریس کا پورا دورانیہ ایک مخصوص مذہبی ماحول میں گزارا جہاں قدم قدم پر مذہبی امتیازات اور مسلکی تفریق کے مظاہر دیکھنے میں آتے تھے مگر حیران کن طریقے سے انہوں نے اپنی شخصیت کو متوازن اور سب کے لئے فیض رساں بنائے رکھا کبھی کسی کو آپ سے شکایت کا موقع نہیں ملا۔ یہ اتنی بڑی شخصی خوبی ہے جس کی مثال شاید ہی مل سکے۔

آپ نے شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں بھی رئیس ادارہ کی حیثیت سے خدمات انجام دیں اور سیرت چیئر پر بھی فائز رہے۔ جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن میں رئیس الجامعہ کے طور پر بھی ایک عرصہ خدمات سرانجام دیں۔ پنجاب یونیورسٹی سے ریٹائرمنٹ کے بعد بھی آٹھ سال تک یونیورسٹی میں تحقیقی و تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ علاوہ ازیں وہ حکومتی اور جامعاتی سطح پر مختلف سائنسی علوم کی نصاب ساز کمیٹیوں کے رکن بھی رہے۔

آپ نے ملک بھر میں اسلام کی ترویج و اشاعت میں بھرپور حصہ لیا۔ دینی وعلمی مجالس اور قومی وصوبائی سیرت کانفرنسوں میں ماہرعلم وحکمت کی حیثیت سے اپنے مقالات پیش کرتے رہے۔ آپ پنجاب پبلک سروس کمیشن میں محکمہ تعلیم پنجاب میں سلیکشن و ترقی کے محکمانہ امتحانات میں ممتحن کے فرائض بھی انجام دیتے رہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی شرعی عدالت میں مشاورت کے فرائض بھی انجام دیئے۔

آپ تقابل دیان اور فقہ میں مہارت کی بنا پر اندرون ملک اور بیرون ملک ایک اتھارٹی کی حیثیت رکھتے تھے۔ اسلامی وغیر اسلامی ممالک مثلاً ایران، سویڈن، ناروے، ڈنمارک میں علمی مجالس میں شرکت فرمائی اور وطن عزیز پاکستان کی بھرپور نمائندگی کی۔ اپنی زندگی کے آخری کئی سال مانچسٹر (انگلینڈ) میں معروف اسلامی تبلیغی اداروں میں دینی وعلمی خدمات انجام دیں۔ آپ حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ کے برادر اور خلیفہ مجاز قدوۃ السالکین حضرت ثانی لاثانی میاں غلام اللہ شرقپوریؒ سے بیعت تھے۔ اپنے شیخ سے جذباتی محبت رکھتے تھے ان پر آپ نے کتاب بھی لکھی، اسی محبت کا نتیجہ ہے کہ آپ کی آخری آرام گاہ بھی آستانہ شیخ کی قربت میں بنی۔

حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقیؒ کی مشہور تصانیف یہ ہیں:

☆ورفعنا لک ذکرک ☆مثالی پیغمبر ﷺ ☆تجلیاتِ رسالت ﷺ ☆رسول اللہ ﷺ کی روحانی زندگی

☆ حضور ﷺ بحیثیت مثالی شوہر ☆ حضور ﷺ بحیثیت معلم اخلاق ☆ اسلام اور ضرورت مرشد

☆رسالت مآب ﷺ کے بارے میں غیر مسلموں کے تاثرات ☆عظمت مصطفیٰ ﷺ پر یہود ونصاریٰ کا بیہودہ اعتراض

☆ سیدنا صدیق اکبرؓ اور عشق رسول ﷺ ☆ قرآن حکیم کی روشنی میں رسول کریم ﷺ کی شان وعظمت

☆ مصطفوی انقلاب کیسے ممکن ہے؟ ☆ فقہ حنفی کا اجمالی تعارف ☆ خودی قرآن حکیم کی روشنی میں

☆ حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے اجتہاد کا طریق کار ☆ روایات ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور آداب زندگی

☆ مثالی جرنیل ☆ Dignity of man in Islam

☆ Quranic Concept of Miracles ☆ Comparative study of Religions

عمر کے آخری حصے میں اگرچہ وہ جسمانی کمزوری کے باعث صاحب فراش ہوگئے تھے مگر ان کی ذہنی صلاحیتیں اور روحانی معمولات بدستور قائم رہے۔ ان کی صحبت ومجلس میں بیٹھنے والوں کو آج بھی ان کی حسِ مزاح اور کلماتِ حکمت وبصیرت یاد ہیں۔

گذشتہ ماہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری مدظلہ نے اپنے قیام لاہور کے دوران علماء اور اساتذہ شریعہ کالج کی ایک خصوصی مجلس میں ان کے ایصال ثواب کے لئے خصوصی دعا فرمائی اور ان کی سیرت وکردار کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔

منہاج القرآن انٹرنیشنل برطانیہ کے زیر اہتمام

Pakistan & True Democracy Conference

پاکستان کی موجودہ سیاسی صورت حال پر منہاج القرآن انٹرنیشنل برطانیہ کے زیر اہتمام Pakistan & True Democracy کے عنوان سے 4 مئی 2013ء کو The New Bingley Hall برمنگھم میں کانفرنس منعقد ہوئی جس میں یورپ و برطانیہ بھر سے سیاسی وسماجی شخصیات، سکالرز، پروفیسرز، تاجر، طلباء، صحافی، ڈاکٹرز اور علماء ومشائخ، سمیت ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ کانفرنس سے خصوصی خطاب شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے کیا۔ پروگرام میں اسٹیج سیکرٹری کے فرائض صدر منہاج القرآن برطانیہ علامہ افضل سعیدی نے ادا کیے جب کہ علامہ انوار المصطفیٰ ہمدمی نے انقلابی نظم پیش کی۔ کانفرنس میں محترم احمد نثار بیگ (مرکزی جماعت اہل سنت برطانیہ)، محترم نثار ملک، محترم ظہور احمد نیازی (امیر تحریک منہاج القرآن برطانیہ)، محترم چوہدری سعید احمد (ایکس کونسلر وائس چیئرمین کشمیر فارم یوکے)، خواجہ غلام قطب الدین فریدی (صدر نیشنل مشائخ علماء پاکستان) پیر سید زاہد حسین شاہ، مفتی عبدالرسول منصور، محمد ابوبکر (ناروے) اور ڈاکٹر دانش (اینکر پرسن ARY) اور فرانس، ہالینڈ، ناروے، ڈنمارک، اٹلی، اسپین اور یوکے سے تشریف لائے مہمانان گرامی نے خصوصی شرکت کی۔

محترم ڈاکٹر دانش (دانشور ونامور صحافی) نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ قوم عدالتوں سے ایبٹ آباد کمیشن، حج اسکینڈل، ریلوے اسکینڈل، اسٹیل مل اور توقیر صادق کیس جیسے ہزاروں مقدمات کا حساب مانگتی ہے۔ یہاں انصاف کے نام پر قانون اور آئین کے ساتھ مذاق ہورہا ہے اور قوم کو بے وقوف بنایا جارہا ہے۔ دہری شہریت پر طعنے دینے والو! آؤ دیکھو کہ یہ لوگ اپنے وطن کے لیے زندگی کی جمع پونجی قربان کرکے فخر کرتے ہیں اور تم لوٹنے والوں کو کھلی چھٹی دیتے ہو! پرُامن لانگ مارچ کی تعریف تو سب کرتے ہیں مگر ان ہزاروں لاکھوں کارکنان کو دنیا میں جس نے فرشتہ صفت بنا دیا اس کے لیے تمہارے پاس شکریے کے دو لفظ بھی نہیں! کیا وہ اس کریڈٹ کا حق دار نہیں؟ میں نے جب پہلی مرتبہ شیخ الاسلام کا انٹرویو کیا تو اس بات کا اندازہ ہوا کہ عام سیاسی لیڈروں کی سوچ وفکر اور ان کے سوچ وفکر میں بڑا واضح فرق ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر خوش گوار حیرت ہوئی کہ اس اندھیر نگری اور منافقت کی منڈی میں کوئی ایک تو سچ کا سوداگر ہے۔

محترم نثار احمد بیگ (مرکزی جماعت اہلسنت برطانیہ و یورپ) نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج مجھے خوشی ہورہی ہے کہ میں اس کانفرنس میں ایسے علماء کرام کو دیکھ رہا ہوں جو اپنی جماعتی حدود و قیود کو توڑ کر تشریف لائے۔ میں اس اجتماع میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی کاوشوں کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں اور ان کی بصیرت کو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ملک میں آئین و قانون کی بالادستی کے لئے مفاد پرست طبقات کے بارے جن خدشات کا اظہار کیا۔ چند ایام بعد ہی ان کی حقیقت واضح ہونے لگی۔ میں ان علماء کو سلام پیش کرتا ہوں جنہوں نے آپ کی قیادت کو تسلیم کیا۔ میں پوری امانت و دیانت داری کے ساتھ سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر طاہرالقادری ہماری اہلسنت والجماعت کے لئے امید کی کرن ہیں۔ میری دعا ہوگی اور میری کوشش ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس کرن کو چودھویں کا چاند بنائے۔ ڈاکٹر محمد طاہرالقادری ایک شخص نہیں بلکہ ایک تحریک کا نام ہے۔

اس کانفرنس میں محترم خواجہ غلام قطب الدین فریدی (صدر نیشنل مشائخ و علماء کونسل)، محترم نثار ملک، محترم ظہور احمد نیازی اور محترم پیر سید زاہد حسین شاہ نے بھی خطاب کرتے ہوئے شیخ الاسلام کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا اور آپ کی جملہ

کاوشوں کی تائید کی۔

اس موقع پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ موجودہ تناظر میں ملکی مسائل کا واحد حل نظام کی تبدیلی ہے۔ لیکن موجودہ آئینی و جمہوری ڈھانچے میں رہتے ہوئے یہ تبدیلی نظامِ انتخابات کی تبدیلی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ہمارے ملک میں انتخابات کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ شفاف انتخابات کا ہمیشہ فقدان رہا ہے۔ انتخابی قوانین اور آئینی تقاضوں کو پامال کرتے ہوئے جو بھی انتخابات ہوئے ان کے نتیجے میں ایسی اسمبلیاں وجود میں آئیں جن میں اکثر و بیشتر جعلی ڈگریاں، ٹیکس چوری اور بیسیوں دیگر جرائم کا ارتکاب کرنے والے پارلیمان میں متمکن ہونے کے قابل ہوئے۔ ہم نے اس فرسودہ و کرپٹ نظام کے خاتمے کے لئے کاوشیں کیں۔ مگر افسوس! ہم پر نت نئے الزامات لگائے گئے۔ آج الیکشن کمیشن کی غیر آئینی تشکیل کے مقاصد بھی قوم کے سامنے آچکے۔ سپریم کورٹ نے بھی نظریہ ضرورت کو پھر سے زندہ کردیا۔ مگر ان مشکلات کے باوجود ہم اپنا سفر جاری رکھیں گے۔

گھبرانا نہیں، صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا۔ یہ کرسی صدا کسی کے پاس نہیں رہتی، سوچ بدلے گی، انقلاب آکر رہے گا اور پھر سب کو حساب دینا پڑے گا۔ ہماری جد و جہد سے بیدار ہونے والا شعور رنگ لائے گا۔ ان پڑھ، جعل ساز اور جعلی ڈگری ہولڈر کرپٹ نظام اور بددیانت الیکشن کمیشن کی ساز باز اور ملی بھگت سے اسمبلیوں میں غریب عوام کا خون چوستے ہیں۔ عوام مایوس نہ ہو اور اپنی جد و جہد جاری رکھیں۔ مذہب اور فرقہ کے نام پر جاری قتل عام اور بیرون ملک سے مذہب، تعلیم اور کلچر کے فروغ کے نام پر فنڈز آتے ہیں جن سے شدت پسندی اور مذہبی جنونیت کی تربیت ہوتی ہے۔ انٹیلی جنس ایجنسیوں کو سب معلوم ہے مگر سب ملی بھگت سے مل بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ ملک تباہ کرنے والے اقدامات کو جمہوریت کا نام دینا ظلم ہے۔ جن کے اکاؤنٹ دوسرے ممالک میں، کاروبار ملک سے باہر اور تین سو کنال کے گھروں میں رہائش ہو، وہ کیا تبدیلی لائیں گے۔ تبدیلی کا نعرہ لگانے والے انتخابات کے بعد نتائج دیکھ کر خود بھی مایوس ہوں گے اور قوم کو مایوس کریں گے، دھاندلی پر چیخ و پکار کریں گے مگر اس وقت پانی سر سے گزر چکا ہوگا۔ بھنور میں پھنسی کشتی کو کنارے لگانے اور مسائل کی دلدل سے نکال کر ترقی کی شاہ راہوں پر چلانے کے لئے انقلابی فیصلے کرنے ہوں گے۔ پاکستان میں عوام کو اس لیے اندھیرے میں رکھا جاتا ہے تاکہ مفاد پرست سیاست دان اپنا ناجائز اقتدار برقرار رکھ سکیں۔ پاکستان میں انتخابی آمریت نے نئی اہل قیادت کو آگے آنے کا موقع نہیں دیا، بلکہ یہاں جعلی جمہوریت کو جاری رکھنے پر زور دیا جاتا ہے۔ جمہوریت اگر آزادی سے ووٹ کا حق دیتی ہے تو وہ ایسے اقدامات کا بھی تقاضا کرتی جس سے تمام افراد کو الیکشن لڑنے کے لیے کروڑوں کی رشوت نہ لگانی پڑے۔ اس ظالمانہ نظام کو برقرار رکھنے کے اس قبیح جرم کو تحفظ دینے میں سیاسی جماعتیں، بددیانت الیکشن کمیشن اور اسے تحفظ دینے والے قانونی اور آئینی ادارے برابر کے شریک ہوں گے۔

اس موقع پر شیخ الاسلام نے بیداری شعور اور ظلم کے نظام کے خلاف بیدار نہ ہونے کے انجام کے متعلق اسلامی تعلیمات سے بھی شرکاء کو آگاہ کیا۔ ❁❁❁❁❁

تعزیت: گذشتہ ماہ محترم چوہدری مدثر اقبال (لالہ موسیٰ) کی والدہ محترمہ، محترم نورحسین چوہان (ڈھونگ گوجر خان)، محترم راجہ محمد عرفان (ڈھونگ گوجر خان)، محترمہ حلیمہ بتول منہاجین (ڈھونگ گوجر خان)، محترم حکیم محمد صابر (تلہ گنگ) کے بھائی محمد اعجاز المعروف لالہ جی، محترم حاجی مرزا عبدالوحید (سہالہ۔ اسلام آباد) کی ہمشیرہ، محترم حافظ عابد بشیر قادری اور محترم طاہر بشیر رندھاوا (چونڈہ۔ سیالکوٹ) کی تائی جان (سیالکوٹ) اور ان کے کزن محترم حاجی محمد سلیم رندھاوا (سرگودھا) قضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ جملہ مرحومین کی بخشش و مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

پاکستان عوامی تحریک کے کرپٹ نظامِ انتخاب کے خلاف ملک بھر میں 300 مقامات پر پرامن دھرنے۔۔۔ لاکھوں افراد کی شرکت

پاکستان عوامی تحریک کے زیر اہتمام 11 مئی پولنگ ڈے پر ملک بھر میں 300 شہروں میں نظام انتخاب کو مسترد کرنے کیلئے پرامن دھرنوں کا انعقاد کیا گیا۔ ان دھرنوں میں لاکھوں مرد و خواتین نے شرکت کر کے کرپٹ نظام کے خلاف عدم اعتماد کا اعلان کرتے ہوئے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے اصولی موقف کی تائید کی۔ ان دھرنوں میں لوگوں نے نظام انتخاب کے خلاف کتبے اٹھا رکھے تھے۔۔۔ بازوؤں اور سینوں پر عوام دشمن نظام کے خلاف احتجاجی نعرے چسپاں کر رکھے تھے۔۔۔ سخت گرمی کے باوجود لوگوں کا جذبہ دیدنی تھا۔ ہر ایک زبان پر عوام دشمن نظام مردہ باد۔۔۔ ظالم نظام کو مرنا ہوگا۔۔۔ کرپٹ نظام سے لڑنا ہوگا۔۔۔ نظام بدلا جائے گا سر عام بدلا جائے گا، کے نعرے تھے۔ ان دھرنوں میں صدر پاکستان عوامی تحریک محترم ڈاکٹر رحیق احمد عباسی، محترم شیخ زاہد فیاض، محترم احمد نواز انجم، محترم خرم نواز گنڈا پور، دیگر مرکزی قائدین و ناظمین اور مقامی صدور و ناظمین نے خصوصی شرکت کی اور خطابات کئے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ویڈیو لنک کے ذریعے 300 مقامات پر ہونے والے ان دھرنوں کے شرکاء سے خطاب کیا۔ یہ خطاب دنیا بھر میں 150 سے زائد ممالک میں بھی براہ راست سنا گیا۔

شیخ الاسلام نے اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ملکی تاریخ میں پہلی مرتبہ کامیاب دھرنوں کی شکل میں نظام انتخاب کے خلاف زوردار آواز اٹھی ہے جو ملک میں حقیقی تبدیلی تک جاری رہے گی۔ ساری سیاسی جماعتیں سٹیٹس کو کے نظام کو بچانے جبکہ پاکستان عوامی تحریک تنہا اس کرپٹ نظام کو گرانے کیلئے کھڑی ہے۔ اس کرپٹ اور اشرافیہ کے مفادات پر مبنی استحصالی نظام کو ٹھوکر سے اڑانا ہوگا اور قوم کو دھوکہ دینے والے نظام کا جنازہ اٹھانا ہوگا۔ اس نظام میں وہی چہرے اور وہی خاندان برسر اقتدار آئیں گے۔ الیکشن کمیشن کی غیر آئینی تشکیل، آئینی شقوں کی پامالی اپنا رنگ دکھا رہی ہے۔ تبدیلی کا نعرہ لگانے والے بھی مایوس ہوں گے اور قوم کو بھی مایوس کریں گے اور نتائج دیکھ کر رونا شروع کریں گے اور بعد ازاں اس نظام کی تباہ کاریوں کے باعث اپنے ہی ہاتھوں سے منتخب کئے لوگوں کی وجہ سے پوری قوم چیخے گی۔

جو جماعتیں ہمارے اصولی موقف کی مخالف تھیں وہ آج خود انتخابات کا بائیکاٹ کر رہی ہیں۔ دھن، دھونس، دھاندلی موجودہ نظام کے بنیادی جز ہیں۔ پاکستان عوامی تحریک نے کراچی سے پشاور اور کوئٹہ سے کشمیر تک پورے ملک میں نظام انتخاب کے خلاف کلمہ حق بلند کر دیا ہے۔ کارکن محنت جاری رکھیں، تبدیلی پاکستان کا مقدر ہے اور پاکستان عوامی تحریک کے موقف کو ہی آخری فتح نصیب ہوگی۔ پاکستان عوامی تحریک نے بدعنوانی کے نظام کے خلاف سمجھوتہ نہ کرنے کی تاریخ رقم کی ہے۔ میں ایسا پاکستان چاہتا ہوں جو اپنی خوشحالی اور خود مختاری کیلئے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو No کہہ سکے۔ پاکستان کو یہ جرأت اس وقت تک نہ ملے گی جب تک قیادت جرأت مند نہ ہوگی اور قیادت جرأت مند اس وقت ہوگی جب یہ فرسودہ و کرپٹ نظام دریا برد ہوگا۔ دھرنے میں بڑی تعداد میں بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کی شرکت نے ثابت کر دیا ہے کہ کرپٹ نظام ہار گیا۔ دھرنا عوام دشمن نظام انتخاب کے خلاف عوامی ریفرنڈم ہے۔ دھرنوں نے کرپٹ نظام کے بتوں کو توڑ دیا ہے۔ ہماری تحریک کو سازشوں کے ذریعے روکنے کی کاوشیں ناکام ہو چکی ہیں۔ پاکستان عوامی تحریک اور تحریک منہاج القرآن نے قوم کو سیاسی شعور اور اپنے حقوق کے لئے آواز بلند کرنے کی جرأت عطا کی ہے۔